رجم کا قرآنی وشرعی حکم اور متجددین

(دوسری قسط)

تحریر: ریاض الحسن نوری، مشیر وفاقی شرعی عدالت

احادیث کے بغیر قرآن سمجھنا ممکن نہیں

اب دیکھئے اگر کوئی متجدد یہ کہے کہ افک کا قصہ حضرت عائشہؓ کے متعلق ہے ہی نہیں کیونکہ قرآن میں ان کا نام مذکور نہیں۔ یا یہ کہے کہ یہ واقعہ کسی بھی امہات المؤمنین کے متعلق نہیں ہے بلکہ کسی اور خاتون کے متعلق ہوگا کیونکہ قرآن میں نہ حضرت عائشہؓ کا نام ہے، نہ یہ ہے کہ یہ الزام امہات المؤمنین میں سے کسی پر لگایا گیا تھا۔ باقی اس سلسلے میں احادیث سب احاد ہیں۔ اس لئے میں ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو پھر آپ ایسے شخص کے متعلق کیا کہیں گے؟ حالانکہ بہتان میں عجوبہ بات کوئی نہیں۔ حضرت مریم علیہ السلام پر بہتان کا ذکر قرآن میں صاف موجود ہے۔

اسی طرح وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور علیہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی ہی نہیں نہ تین دن غار میں آپ کے ساتھ چھپے تھے۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو قرآن میں آپ کا نام مذکور ہوتا اور باقی تفصیلات بھی مذکور ہوتیں۔

ہم نے چند مثالوں کا ذکر کیا ہے ورنہ قرآن میں ایسے بہت سے واقعات ہیں جن میں یہودیوں کے رجم کا واقعہ بھی ہے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان سب کا انکار یہ کہہ کر کیا جا سکتا ہے کہ یہ تفصیلات قرآن میں نہیں ہیں۔ فلاں فلاں کے نام درج نہیں ہیں، اس لئے محض احادیث یا تاریخ میں درج اخبار احاد یا مشہور کی بنا پر ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس طریقہ سے سیرت النبیؐ سے متعلق بہت سے مسلمہ واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ بہت سی جنگوں کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ پس جس طرح تین دن غار ثور میں چھپنے کا واقعہ قرآن میں صرف ایک جگہ مذکور ہے مگر اس کی تفصیلات تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اسی طرح رجم کا تذکرہ کم وبیش تیس آیات قرآنی میں ملتا ہے اور اس کی تفصیلات جو تاریخ اور احادیث میں ملتی ہیں وہ تواتر میں افک کے واقعات سے کہیں زیادہ ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کے حضور علیہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کے دوران غار میں

استراحت کرنے کے واقعہ سے بھی تواتر میں کہیں زیادہ ہیں۔ پس مسلمہ واقعات جو قرآن' حدیث اور تاریخ میں موجود ہیں کا انکار کرنا محض کم علمی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایسے تو سیرت النبی ﷺ اور قرآن میں ذکر کردہ تقریباً تمام ہی واقعات کا انکار کیا جاسکتا ہے کیونکہ کسی بھی صحابی کا نام سوائے حضرت زیدؓ کے قرآن میں موجود نہیں ہے اور نہ امہات المؤمنین میں سے کسی کا نام موجود ہے۔ پس اشارے ہیں اور ان اشاروں کی تفصیل احادیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں اور جو ان میں سے صحیح سند سے متواتر۔ مستفیض اور مشہور روایات ہیں ان کو تسلیم کرنے پر سب کا اجماع ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے اکثر واقعات قرآن کریم میں اسی طرح سے مذکور ہیں۔ اب دیکھئے افک کا واقعہ اللہ تعالی نے جس طریق پر قرآن میں ذکر کیا ہے وہ اسی مفروضہ پر کیا ہے کہ قرآن کا قاری اس واقعہ کی تفصیلات سے تاریخ وحدیث کے ذریعہ واقف ہے اور بغیر شان نزول کے ایسے واقعات سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس کا شاہ ولی اللہؒ نے بھی الفوز الکبیر میں ذکر کیا ہے۔

اب دیکھئے معراج کا واقعہ۔ یہ متجدد اس واقعہ کا بھی اخبار احاد کہہ کر انکار کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ بھی مشہور روایات سے ثابت ہے۔ اور اسی موقعہ پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ اب دیکھئے قرآن میں صلاۃ کا بار بار ذکر ہے لیکن صاف طور سے پانچ کے ہندسہ کے ساتھ ذکر نہیں ہے۔ اب کیا پانچ نمازوں کی فرضیت سے بھی انکار کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ احادیث کی کتب سے راوی شمار کرنے لگیں تو تعداد میں پانچ نمازوں اور دیگر بہت سے اجماعی مسائل اور تاریخی واقعات کے راوی تواتر کے لحاظ سے حضرت ماعزؓ وغیرھم کے واقعات سے کم ہی ملیں گے۔ لیکن کیا اس بناپر ان تمام مسلمہ تاریخی واقعات' فرائض اور حرمت اشیاء کا انکار کرنا عقل وخرد کی بات ہو گی؟ یاد رہے کہ متعہ کی حرمت بھی در حقیقت مشہور احادیث ہی سے ثابت ہے جو مشہور ہیں متواتر نہیں۔ اور ہم ان متجددین میں سے جن کو جانتے ہیں وہ سب کے سب متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔ تمام اہل سنت مشہور احادیث ہی کی بناپر متعہ کی حرمت کے قائل ہیں۔

مذکورہ بالاوجوہات ہی کی بناپر ابو زہرہؒ' شلتوت' خلاف' مصطفیٰ زرقاء وغیرھم نے سنن کو قرآن کے بیان کی تکمیل کرنے والی کہاہے۔ اس کے حوالے آگے آرہے ہیں۔

اسلم جیراج پوری کا بیان: پرویز صاحب کے استاد اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں:

"۔۔۔ مکی آیتوں میں نماز کی پابندی اور اس کے ادا کرنے کے احکام نازل ہوئے اور چونکہ یہ عبادت عملی ہے۔ اس لئے کتاب اللہ نے جزئیات کی تصریح نہیں کی بلکہ

آنحضرت ﷺ نے خود اس کے ادا کرنے کا طریقہ بتایا اور اپنے عمل سے اس کی تفصیل کی جوامت میں آج تک نسلاً بعد نسلٍ متواتر چلی آرہی ہے۔(۱)

ہم کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ کو یہ طریقہ جبرئیل نے سکھایا تھا۔ پھر نمازوں کے لیے پانچ کا ہندسہ بھی قرآن میں نہیں ہے کیونکہ یہودیوں' عیسائیوں' زرتشتوں میں بھی پانچ نمازیں فرض تھیں۔ اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہ تھی۔ شروع میں ایک نماز فرض ہوئی پھر رفتہ رفتہ پانچ کر دی گئیں۔ اسی طرح زنا کی سزا حبس اور ایذا گھریلو طور سے شروع ہوئیں۔ پھر کیونکہ موجود تورات میں کنوارے زانیوں کی خاص سزا (Dettent) نکال والی دستیاب نہ تھی اور کنواروں سے اس کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے پہلے وہی نازل فرمائی اور اس کی تفصیل بیان کی گئی۔ پھر جب جنسی معاملات میں زیادہ پابندیاں عائد ہوئیں تو پھر یہودیوں کا مقدمہ سامنے آنے پر توریت کے رجم کے حکم کی تصدیق "فیھا حکم اللہ" کہہ کر کر دی گئی اور اس طرح سے رجم کا حکم قرآن کا حکم بن گیا۔ یہ بھی عملی چیز تھی۔ اس لئے اس کی تفصیلات مثلاً گڑھا کھودنا' اس کی گہرائی' عورت کے کپڑوں کو کسنا وغیرہ عملی تفصیلات۔ اسی طرح سنت کے ذریعے بتائی گئیں جیسے نماز کی تفصیلات اسی بنا پر لوگوں نے نماز پڑھ کر کہا کہ ہم نے سنت کے مطابق نماز پڑھی اور رجم کے بعد سنت کے مطابق رجم کرنے کا ذکر کیا۔ اتنی سی بات تھی جس کو طومار بنا دیا۔

کنوارے زانیوں کی سزا کا مسئلہ: اسلام نے بے حیائی کو برا کہنے اور عورتوں سے اختلاط پر پابندی لگانے اور ان کو جلباب وغیرہ اوڑھنے اور زینت کے اظہار سے منع کے احکام دیئے۔ اس کے ساتھ ہی یہ حکم آیا کہ کوئی غیر شادی شدہ نہ رہنے پائے اور جو استطاعت شادی کی نہ رکھتے ہوں وہ بحالت مجبوری مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ ان انتظامات کے بعد کنوارے زانیوں کے لیے عدالتی سزا کا بھی اعلان ہوا جو سورہ نور کی دوسری آیت میں نازل ہوا۔ کیونکہ زیادہ تر کنوارے ہی اس میں مبتلا ہوتے ہیں اور ان ہی سے لوگوں کو زنا کا زیادہ خطرہ رہتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں کنواروں کو لوگ مکان کرایہ پر نہیں دیتے۔ پس پہلے ان کا حکم نازل ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں نے کنوارے زانیوں کی سزا کو ہی توراۃ سے نکال دیا تھا کیونکہ کنوارے زانیوں کی جو سزا توراۃ میں ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ توراۃ میں یوں ہے :

"اگر کوئی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو (۲) پھسلا کر اس سے مباشرت کر لے تو وہ ضرور ہی اس سے بیاہ کر لے۔ لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ

کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے۔(۳)

استثنا۔باب ۲۳۔آیت ۲۸۔۲۹میں مزید مہر کی رقم بھی معین کردی گئی ہے یعنی پچاس مثقال چاندی(تقریباً ۵۵روپے)

اب دیکھئے کنوارے زانی کے لیے یہ کوئی نکال (Dettent)سزانہ ہوئی ۔پھرزانیہ غیرشادی شدہ عورت کی سزاکاسرے سے کوئی ذکرہی نہیں ہے۔سوائے اس کے کہ وہ اس مردزانی کی بیوی بن جائے لیکن باپ انکار کردے تو یہ بھی ضروری نہیں۔البتہ اس کواس صورت میں سزاکی بجائے الٹاپچاس مثقال چاندی توہرحال میں مل ہی جائے گی۔(۴)

اسی وجہ سے قرآن نے پہلے الزانیہ کہاہے یعنی عورت کو پہلے ذکرکیاہے۔اگرچہ مفسرین نے اس کی اوروجوہات بھی لکھی ہیں کہ عورت کاذکرمقدم کیوں آیاہے۔لیکن ہمارے خیال میں ہماری بیان کردہ وجہ بھی اہم ہے۔

پس کیونکہ توراۃ میں زانی عورت ومرد کی کوئی قابل ذکرسزانہ تھی جس سے ڈرکر کنواری عورتیں زناسے پرہیزکرتیں۔اس لئے قرآن نے عورتوں کوزینت چھپانےاوردیگراحکام دینے کے ساتھ کنواروں کی شادی کے احکام کے بعدکنواروں اورکنواریوں کی زناکی سزاکااعلان پہلے کیااوردونوں کی مساوی سزارکھی۔

یہ حکم سب زانیوں کے لیے ہرگزعام نہ تھا۔کیونکہ لونڈیوں کوقرآن نے اس حکم سے خارج کرکے اس آیت کے عموم کوختم کردیااورنبی ﷺ نے بھی اس بات کوواضح کردیااوربات بھی واضح تھی کہ توراۃ میں ان کاحکم کیونکہ متانہ تھایعنی محوکردیاگیاتھا۔اس لئے بھی کنواروں کاحکم پہلے آیااورحضور ﷺ نے بتادیاکہ یہ نوع خاص کے لیے ہے۔لونڈی غلام،نابالغ،مجنون،محصن وغیرہ اس سے خارج ہیں۔پس یہ بات پہلے سے ذہن میں تھی اورمزیداس کوواضح کردیاگیاکہ یہ نوع خاص کے لیے ہے۔یہاں الف لام عہدخارجی کاہے۔اس پربحث آگے آرہی ہے۔

شادی شدہ ذرازیادہ عمرکے لوگ کچھ سمجھدارہوجاتے ہیں بچپن کے اثرات بھی ختم ہوجاتے ہیں اورلوگوں کوبھی ان سے زناکاخدشہ کم ہوتاہے وہ وقتی جذبات سے بھی اتنی آسانی سے مغلوب نہیں ہوتے جتنے کہ کنوارے لوگ ہوتے ہیں۔اس لئے ان کی سزاکااعلان بعدمیں مناسب موقع پرہواجبکہ واقعی یہود کامقدمہ سامنے آگیااورجنسی معاملات میں سختی زیادہ ہوگئی۔

رجم کاقرآن سے سیدھاسادہ ثبوت:اللہ تعالیٰ نے یہود کے شادی شدہ زانیوں کے زناکے

موقع پر جو آیات قرآن کی نازل ہونے والی آخیر دور کی سورۃ مائدہ میں نازل کیں۔ان میں یہ آیت بھی ہے۔ جس کو ہم تفسیر طبری مع شرح شاکر برادران سے نقل کر رہے ہیں مع تفسیر کے' جو یوں ہے :

"القول فی تاویل قوله عزذکره(ومن لم یحکم بماانزل اللّٰہ فاؤلئک هم الکافرون"(۵)

قال ابوجعفر:یقول تعالی ذکره:ومن کتم حکم اللّٰہ الذی انزله فی کتابه وجعله حکماًبین عباده'فاخفاه وحکم بغیره'کحکم الیهودفی الزوجین المحصنین بالتجبیه والتحمیم وکتمانهم الرجم کقضائهم فی بعض قتلاهم بدیة کاملةوفی بعض بنصف الدیة وفی الاشراف بالقصاص وفی الادنیاء بالدیةوقدسوی اللّٰہ بین جمیعهم فی الحکم علیهم فی التوراة(فاولئک هم الکافرون)یقول:هؤلاالذین لم یحکموابماانزل اللّٰہ فی کتابه 'ولکن بدلواوغیرواحکمه 'وکتمواالحق الذی انزله فی کتابه(هم الکافرون)'یقول :هم الذین ستروالحق الذی کان علیهم کشفه وتبیینه وغطوه عن الناس' واظهروالهم غیره' وقضوابه لسحت اخذوه منهم علیه"(۶)

امام طبریؒ کہتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالی ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو کہ اللہ کے اس حکم کو چھپاتے ہیں جو اس نے اپنی کتاب میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کے لیے نازل فرمایا۔ پھر یہ لوگ اس حکم کو تو چھپالیتے ہیں اور دوسرا حکم نافذ کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ یہود نے کیا کہ محصن زانیوں کے سلسلے میں رجم کا حکم تو چھپالیا اور سو کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا دیتے رہے۔اسی طرح سے بعض مقتولوں کی دیت تو مکمل دلواتے اور بعض کی نصف۔ مزید اشراف کے قتل میں مقتول کا قصاص دلواتے اور چھوٹے لوگوں کے قتل میں دیت دلواتے حالانکہ اللہ تعالی نے سب کو اس سلسلے میں برابر ایک مقام پر رکھا تھا۔ اور یہی حکم تورات میں نازل کیا تھا۔ پس اللہ تعالی نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے وحی منزلہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا بلکہ اس حکم کو بدل دیا اور حق کو چھپایا جو اللہ نے نازل کیا تھا۔اس پر اللہ تعالی نے وحی نازل فرمائی کہ یہ لوگ

کافر ہیں(۷) کیونکہ یہ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان کا فرض تھا کہ حق کو ظاہر اور واضح کریں۔ لیکن انہوں نے حق کو چھپا کر لوگوں کو دوسرا حکم ظاہر کیا اور اسی کے مطابق رشوت لے کر فیصلے کئے۔
اب دیکھئے قصاص اور قتل کے سلسلے میں اللہ تعالی نے ان یہود کی تردید یوں کہہ کر فرمائی :

"وکتبناعلیهم فیهاان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص"(۸)

یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے لکھ دیا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص لیا جائے گا۔

اس کی تفسیر میں طبریؒ فرماتے ہیں :

"یقول تعالی ذکره له:وکیف یرضی هؤلاء الیهودیامحمد بحکمک اذجاؤوایحکمونک عندهم التوراةالتی یقرون بهاانها کتابی ووحیی الی رسولی موسیٰ ﷺ فیماحکمی بالرجم علی الزناةالمحصنین‘وقضائی بینهم ان من قتل نفساًظلماًفهوبها قود ومن فقأعینابغیرحق فعینه بهامفقؤةقصاصاًومن جدع انفاً فانفه به مجدوع‘ومن قلع سناًفسنه بهامقلوعة‘ومن جرح غیره جرحاًفهو مقتص منه مثل الجرح الذی جرحة؟ثم هم مع الحکم الذی عندهم من التوراةمن احکامی‘یتولون عنه ویترکون العمل به‘یقولَ فهم یترک حکمک وبسخط قضائک بینهم احری واولی "(تفسیر طبری مع شرح شاکر برادران‘ج ا‘ص ۳۵۹)(۹)

یعنی اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ یہ کیسے تم سے کوئی اور فیصلے کی امید پر تمہارے پاس آتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس کا کہ وہ اقرار کرتے کہ وہ میری کتاب ہے اور (حضرت) موسی علیہ السلام کی طرف میری وحی ہے اس میں محصن زانیوں کے لیے میرا رجم کا حکم موجود ہے اور قتل کے سلسلے میں میرا قصاص کا حکم بھی موجود ہے اور یہ بھی موجود ہے کہ جو کوئی بغیر حق کے کسی کی آنکھ ضائع کرے گا۔اس کی آنکھ بھی ضائع کردی جائے گی۔۔۔الخ۔

اب دیکھئے کہ قصاص کے معاملے میں یہودیوں نے بہت ساری تبدیلیاں کر رکھی تھیں مثلاً ایک قبیلہ کی دیت اگر پوری تھی تو دوسرے کی نصف تھی۔ پھر ایک قبیلہ کے قصاص میں دوسرے کمزور قبیلہ کے دو آدمی قتل کئے جاتے۔ ایک امیر طاقتور قبیلہ کے ایک آدمی کی ایک آنکھ ضائع کی جاتی تو اس کے بدلے میں دو آنکھیں نکالی جاتیں۔ یہ باتیں تفسیر طبری محولہ بالا ج ۱۰ ص ۳۶۰ پر دی گئی ہیں۔

اسی صفحہ پر عبداللہ بن عباسؓ کا قول معاویہ بن صالح عن علی بن ابی طلحہ جو صحیح ترین سند سے درج ہے اس کا آخری حصہ یوں ہے :

"قال: فمابالهم يخالفون' يقتلون النفسين بالنفس ويفقأون العينين بالعين"؟

کیونکہ قصاص اور جروح کے سلسلے میں طرح طرح سے گڑبڑ کر رکھی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے توریت کے پورے حکم کو دہرا کر قرآن میں ثبت کر دیا۔ کیونکہ تفصیلات زیاہ تھیں اور ردوبدل بھی کئی طرح سے کر رکھا تھا۔

اس کے برعکس رجم کا معاملہ صرف اتنا تھا کہ رجم کو چھپا کر سو کوڑے (۱۰) کی سزا اپنے طور سے مقرر کرنی تھی۔ اس لئے توریت کی آیت کا عربی ترجمہ حضرت جبرائیل علیہ السلا کے ذریعہ حضور ﷺ کو وحی کر دیا گیا اور پھر سب کے سامنے توریت کھول کر دیکھی گئی اور یہودیوں کا دھوکہ بر ملا ثابت ہو گیا۔ یہودیوں نے اپنی غلطی تسلیم کر لی اور رجم کو قبول کر لیا اور یہودی مرد و عورت رجم کر دیئے گئے اور معاملہ صاف ہو گیا۔ پس اس کی ضرورت نہ رہی کہ توریت کی پوری آیت کا عربی ترجمہ مثل قصاص کی آیت کے قرآن میں ثبت ہوتا۔ اس لئے کہ معاملہ صاف ہو گیا تھا۔ یہودیوں نے رجم کو قبول کر لیا تھا تو مسلمانوں کے لیے اتنا بیان قرآن متلو میں رکھنا کافی سمجھا گیا کہ "فیھا حکم اللہ" یعنی توریت کا رجم کا حکم اللہ کا حکم غیر محرف ہے (۱۱) اس لئے جب اس کو خدا کا حکم کہا جا رہا ہے تو یہ حکم تمہارے لئے بھی ہے کیونکہ حق اور انصاف میں تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مزید اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر اس کو صاف اعلان میں کہہ دیا کہ :

"وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لا مبدل لکلماته" (۱۲)

یہ اعلان اس رجم کے مقدمہ اور سورہ مائدہ میں جو آخری سورتوں میں سے ہے بہت پہلے ہو چکا تھا کہ عدل اور سچائی کے سلسلے میں خدا کا قول بدل نہیں سکتا۔ پس رجم کے انکار سے مذکورہ بالا آیت کا نسخ ہی نہیں بلکہ الغا کرنا پڑے گا۔ اس لئے رجم کا انکار قرآن کو ماننے والے کے

لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

مزید دیکھئے کہ جو فقہاء عورت کے قتل کے بدلے مرد کے قتل کے قائل نہیں اس بنا پر کہ جان کے بدلے جان کا حکم تو بنی اسرائیل کے لیے تھا اور قرآن میں خاص اور صرف ان کا ہی ذکر ہے۔ پس ہمارے لئے یہ حکم نہیں اور ہمارے لئے تو یہ حکم ہے کہ :

"کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ۔الخ"

یعنی تم پر قصاص لکھ دیا گیا مقتولوں کے معاملہ میں آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ الخ

ایسے فقہا اگر رجم کا انکار کریں تو شاید ان کے لیے کچھ بہانہ ہے مگر جو لوگ عورت کے بدلے مرد کے قصاص میں قتل کئے جانے کے قائل ہیں وہ تو کسی طور کوئی بہانہ کر ہی نہیں سکتے۔

پھر سورہ الانعام کی مذکورہ بالا آیت تو سب متجددین کے منہ بند کرنے کے لیے کافی ہے۔ رہا رجم کے وقت کا تعین تو یہ سب کو تسلیم ہے کہ سورہ مائدہ سورہ نور کے بعد نازل ہوئی۔ پس رجم کا حکم بھی سورہ نور سے موخر ہے۔

جصاص کے مطابق حضور ﷺ نے رجم پر توریت کے باقی حکم کی بجائے خود اس حکم پر عمل کیا تھا جو ان پر نازل ہوا تھا۔ جصاص لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔فان النبی ﷺ رجم الیھودیین فلا یخلو ذلک من ان یکون بحکم التوراۃ او حکماً مبتدأ من النبی ﷺ فان کان رجمھا بحکم التوراۃ فقد صار شریعة لان ماکان من شرائع الانبیاء المتقدمین یبقی الی وقت النبی ﷺ فھو شریعة لنبینا ﷺ مالم ینسخ وان کان رجمھما علی انه حکم مبتدأ من النبی ﷺ فھو ثابت اذلم یرد مایوجب نسخه والصحیح عندنا انه رجمھما علی انه شریعة مبتدأة من النبی ﷺ لا علی تبقیة حکم التوراۃ" (۱۳)

یعنی نبی ﷺ نے جو یہود کو رجم کیا تو دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ توراۃ کے حکم کے مطابق کیا ہو یا اس حکم کے مطابق جو نبی ﷺ کو ہی ابتدائی حکم کے طور پر دیا گیا ہو۔ پس اگر آپ ﷺ نے توراۃ کے حکم کے بطور رجم کرایا تو آپ کے اس فعل سے وہ نبی ﷺ کی شریعت کا حکم بن گیا۔ کیونکہ جو حکم سابق انبیاء کی شریعتوں کا نبی ﷺ کے وقت تک موجود ہو وہ

حضور علیہ السلام کی شریعت بھی ہے۔ جب تک کہ وہ منسوخ نہ ہو۔ اور اگر حضور علیہ السلام نے اس حکم کے مطابق رجم کیا جو کہ گویا ابتداء کے طور پر آپ ہی کو دیا گیا ہو۔ پس اس صورت میں بھی وہ حکم اب بھی ثابت ہے کیونکہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے اس کا نسخ واجب ہو جائے۔ صحیح بات ہمارے نزدیک یہی ہے کہ آپ علیہ السلام نے توراۃ کے بقایا حکم کے طور پر رجم نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس حکم کے مطابق رجم کیا تھا جو خود آپ پر پہلی مرتبہ نازل ہوا تھا۔

جو کچھ جصاص نے کہا ہے وہی بات قرآن کی ان تمام کثیر آیات سے ثابت ہوتی ہیں جو رجم کے مقدمہ سے پہلے اور رجم کے مقدمہ کے موقع پر یا بعد میں نازل ہوئیں اور جن پر ہم نے مفصل گفتگو کی ہے۔ ہم نے ایسی بہت سی آیات نقل کی ہیں جن میں حضور علیہ السلام کو بار بار یہ بات کہی گئی کہ آپ ان اہل کتاب کا فیصلہ اس وحی کے مطابق کیجئے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے۔ یہی کچھ جصاص نے کہا ہے۔

<u>قرآن کا دعویٰ کہ اس میں ہر چیز ہے</u> : ممکن ہے ہم نے جو تیس سے زیادہ آیات رجم کے سلسلے میں بیان کی ہیں ان میں سے بعض کے متعلق ناظرین یہ کہیں کہ یہ بہت دور کا استنباط ہے۔ لیکن دیکھئے ہم نے جو استنباط کیا ہے تو اس میں سابق مفسرین خود نبی علیہ السلام اور ان کے اصحاب شامل ہیں۔ ان کے اقوال کے مطابق کیا ہے۔ مزید خود قرآن کے دعوے کی روشنی میں کیا ہے۔ ملا جیون اپنی تفسیر کے شروع میں اس سلسلے میں قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"۔۔۔۔لایعد فرائدہ و ادعظیم لایقتص شواردہ وکیف لاوقدقال اللہ تعالیٰ مافرطنافی الکتاب من شئی وقال ولارطب ولایابس الافی کتاب مبین وقال نزلنا علیک الکتاب تبیانالکل شئی فمامن شئی الاویمکن استخراجه من القرآن" (۱۴)

یعنی تفسیر کی وادی بڑی وسیع ہے اور کیسے نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی کتاب (۱۵) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر خشک وتر کتاب المبین (۱۶) میں موجود ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تمہاری طرف قرآن (۱۷) اتارا ہے جو ہر بات کو بیان کرتی ہے۔ پس کوئی چیز ایسی نہیں جس کا استخراج قرآن سے نہ کیا جا سکے۔ یہی کچھ بلکہ اور بھی بہت کچھ اسی کی تائید میں سیوطی نے لکھا ہے۔ (۱۸)

پس قرآن سے ہر چیز معلوم کی جا سکتی ہے۔ پس اس آیت ہی کی روشنی میں ہم نے رجم

کے حکم سے متعلق معلوم کرنا چاہا کہ قرآن رجم کے متعلق کیا کہتا ہے تو ہمیں تیس سے زیادہ آیات رجم مستخرج ملا۔ پس ہم نے جو ان آیات کا رجم کے سلسلے میں ذکر کیا ہے تو یہی ثابت کرنے کے لیے کیا ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے۔ یہ ناممکن تھا کہ حضور ﷺ نے کئی لوگوں کو رجم کیا ہو اور یہ ایک اہم مسئلہ ہو لیکن قرآن مجید میں حضور ﷺ کے اتنے فیصلوں کے مطابق کوئی ذکر نہ ہو۔ پس ہم کو تلاش کرنے پر نبی ﷺ کے اتنے رجم کے فیصلوں کی تصدیق قرآنی آیات سے مل گئی جو ناظرین کے پیش خدمت ہے۔ جس میں طبری سے مدد لی ہے۔

<u>یہ اعتراض کہ رجم بڑی بے رحمی کی سزا ہے</u>: انگلینڈ میں جیسا کہ برٹرینڈ رسل نے لکھا ہے: پارلیمنٹ نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ جو لوگ دوزخ (Hell) کا انکار کرتے ہیں وہ بھی عیسائی ہیں۔ گویا یورپ کے کچھ جدید لوگ دوزخ کو خدا کی شان رحیمی کے خلاف سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرتے ہوئے بھی عیسائی کہلانا چاہتے ہیں۔ اس قانون کی پادریوں نے مخالفت کی مگر قانون پاس ہو گیا۔

اسی کی پیروی میں ہمارے ہاں کے بعض متجددین بھی دوزخ کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ بعض سرے سے آخرت کے متعلق بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ دنیا ہی میں ہے۔ اور سب سزا و جزا یہیں مل جاتی ہے۔

اسی روش پر چل کر کچھ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رجم کی سزا خدا کی شان رحیمی اور رسول اللہ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے خلاف ہے۔ گویا تورات کسی اور خدا نے نازل کی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کو معلوم نہیں کہ رجم کیسے ہوتا ہے۔ اس کے متعلق امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ کبھی آدمی پہلے پتھر ہی سے مر جاتا ہے اور کبھی بہت سے پتھروں کے بعد بھی نہیں مرتا۔ (۱۹) ہم کہتے ہیں کہ مثلاً کان کے قریب ایک مقام ہے جہاں پتھر لگنے سے انسان فوراً بے ہوش ہو جائے گا۔ بعض مقامات پر فوراً مر سکتا ہے) یہ بات ہم کو بتانی تو نہ چاہیے کیونکہ اس سے رجم کا خوف کم ہوتا ہے اور گناہ کا احتمال بڑھتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا قول سے ہی یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ رجم سے موت بیماریوں سے موت کے مثل ہے۔ جن سے کہ اکثر لوگوں کی موت واقع ہوتی ہے۔ بعض لوگ تو جلد ہی ہارٹ فیل ہونے سے مر جاتے ہیں لیکن بعض طویل عرصہ تک تکلیفات اٹھانے کے بعد مرتے ہیں۔ جس کو یقین نہ ہو تو ہسپتال جا کر دیکھ لے کہ بیماریوں سے موت بھی آسانی سے نہیں آ جاتی۔ بعض مریض تو ایسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیتے ہیں کہ رجم کی اس کی سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں۔ اسی وجہ سے یورپ میں بعض لوگوں نے یہ نظریہ بھی پیش

کیا ہے کہ جن مریضوں کے بچنے کی امید باقی نہ رہے ان کو زہر دے کر مار ڈالنے کی اجازت ہونی چاہیے تاکہ ایسے مریضوں کو دکھوں سے جلدی نجات دلائی جا سکے۔(Mercykilling)

یاد رہے کہ دل کے بھی بہت سے مریض اذیتیں سہ کر مرتے ہیں۔ رجم میں تو تھوڑے ہی عرصہ میں انسان مر جاتا مگر بعض بیماریاں سالہا سال تک بعض لوگوں کو اذیت پہنچاتی ہیں۔ پھر اکثر لوگوں پر جان کنی بھی طویل ہوتی ہے جس کے سامنے رجم کچھ نہیں۔

پس در حقیقت یہ سب اپنی اپنی قسمت ہے۔ پس کوئی مریض طویل اذیتیں اٹھا کر مرتا ہے کوئی جلدی مر جاتا ہے۔ اسی طرح رجم میں کبھی انسان پہلے پتھر سے ہی مر جاتا ہے اور کبھی بہت سے پتھروں سے بھی نہیں مرتا۔ تو گویا رجم بیماریوں سے مرنے کے مترادف ہے۔ اگر رجم بے رحمی ہے تو پھر بیماریوں سے موت بھی بے رحمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رجم کو لوگوں کو خوف دلانے اور گناہ سے بچانے اور معاشرہ کو اس کی پیدا کردہ تباہیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے مقرر کیا ہے۔(۲۰) ورنہ بیماری سے مرنا اور رجم سے مرنا ایک ہی ہے۔

اگر رجم کا نسخ ہوتا تو کیسے ہوتا: قرآن سے جو تمام دلائل ہم نے اور امام طبری اور دوسرے لوگوں نے رجم کے حق میں دیے ہیں اور خلفائے راشدین وغیرھم نے جو رجم کے مطابق عمل کیا ہے تو ان تمام باتوں کی وجہ سے اگر اللہ نے رجم کا نسخ کرنا ہوتا تو (اللہ تو اعلم الغیب ہے۔ اس کو تمام آنے والی باتوں کا علم ہے) تو وہ باقاعدہ رجم کے نسخ کی آیت قرآن میں اتارتا۔ اس طریقے سے کہ پھر کسی کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

یہودیوں کے رجم اور پھر دیگر کئی مسلمانوں کے رجم کے بعد یہ بہت ضروری تھا کہ خاص رجم کے نسخ کا باقاعدہ قرآن میں اعلان ہوتا۔ یہ اس لئے بھی بہت ضروری تھا کیونکہ یہ حکم تمام سابقہ شریعتوں میں رائج رہا تھا اور پیغمبر اس پر عمل کرتے رہے تھے۔ پس اس قسم کی کوئی آیت اترتی جیسے جنگ میں مجاہدین کی تعداد کے حوالے سے مندرجہ ذیل آیت ہے:

"الئن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفاً" (سورۃ الانفال: ٦٦)

یعنی اب اللہ نے تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ناتوانی ہے۔

ورنہ کم از کم حجۃ الوداع یا کسی ایسے موقعہ پر حضور ﷺ کی زبان سے یہ اعلان بار بار کرایا جاتا کہ سابقہ تمام پیغمبروں کی شریعت کے حکم کو تبدیل کر دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی ضروری تھا کہ اس کی معقول وجہ بھی بتائی جاتی جس سے اہل کتاب بھی مطمئن ہو جاتے اور ان کو یہ اعتراض

کرنے کا موقع نہ ملتا کہ تم تو یہ دعوے کرتے ہو کہ یہ پیغمبر سابق پیغمبروں کی تصدیق ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے آیا ہے اور ان کی اقتدا کا بھی اس پیغمبر کو حکم ملا ہے۔ پھر یہ حکم کیوں منسوخ ہو رہا ہے اور پھر انصاف بھی کبھی تبدیل ہوتا ہے۔ یہ انصاف میں تبدیلی کیوں کی جا رہی ہے ؟

پس اعلان نسخ کے ساتھ ناقابل تردید دلائل بھی انصاف میں تبدیلی کے لیے ضروری تھے۔ اس کے بغیر تو اہل کتاب کبھی اسلام کو وہی دین ہرگز نہ سمجھ سکتے تھے اور نہ اس سلسلہ کا پیغمبر سمجھ سکتے تھے جس سلسلے کے تمام پیغمبر رجم کو قانون تسلیم کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ خلفائے راشدین نے رجم کیا۔ حضور ﷺ سے رجم کے نسخ میں نہ کوئی قولی حدیث منقول ہے نہ عملی سنت۔ پس ثابت ہوا کہ رجم کا نسخ ہرگز نہیں ہوا۔ انصاف نہیں بدلا اور نہ انصاف بدل سکتا ہے۔ اس کے برعکس قرآن میں اللہ نے اعلان کر دیا کہ میرا قول عدل کے سلسلے میں کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ متعلقہ آیت ہم نے مفصل بیان کی ہے۔

پھر دیکھئے دنیا کے تمام مذاہب اور خود توریت میں اور جدید یورپی قوانین میں اور عہد وسطی کے یورپی قوانین میں سب لوگوں میں شادی شدہ اور غیر شادی زانیوں کی سزامیں بہت تفاوت ہے۔ ہم نے حوالے دیے ہیں کہ توریت میں شادی شدہ زانیوں کی سزا رجم ہے مگر کنوارے زانیوں کی سزا بہت معمولی ہے۔ پھر دیکھئے زنا سے متعلق حضور ﷺ کے دور میں جو روایات ملتی ہیں ان میں بھی شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زانیوں کی سزامیں فرق ہے یعنی کنوارے زانی کو حضور ﷺ نے کوڑے لگوائے اور محصن زانیوں کو چاہے وہ یہود تھے یا مسلمان رجم کیا۔

مذکورہ بالا وجوہات سے رجم کے نسخ کے حکم کے ساتھ اگر شادی شدہ زانیوں اور کنوارے زانیوں کی سزا اسلام نے ایک ہی مقرر کرنی تھی تو یہ ضروری تھا کہ اس کے ناقابل تردید دلائل بھی قرآن میں دیئے جاتے کہ تمام مذاہب، پیغمبروں اور کلچروں کے خلاف دونوں قسم کے زانیوں کی سزا ایک کیوں مقرر کی جا رہی ہے۔ ہم نے عصری تحقیقات کی رو سے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ دونوں نوع کے زانیوں کی سزائیں ایک مقرر کرنا سائنس اور نفسیات کے اصولوں کے بھی خلاف ہے۔

ایک متجدد عامر عثمانی صاحب لکھتے ہیں :

”آخر میں ایک یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اگر آپ کی یہ باتیں صحیح ہیں تو پھر خلفائے راشدین نے کیوں سنگسار کیا؟ خلفائے راشدین کا سنگسار فرمانا متعدد روایات سے ثابت ہے جس

سے انکار ممکن نہیں۔(۲۱)اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ طویل عرصہ تک تورات کے حکم کے مطابق شادی شادہ زناکار مرد وعورت کو سنگسار کرتے چلے آرہے تھے اور غیر شادی شدہ زناکار مرد وعورت کو سو دروں کی سزا دیتے رہے تھے تو عام مسلمانوں کے اذہان اسی تفریق کے عادی ہو گئے۔ سورہ نور نازل ہونے کے بعد ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا کہ کسی شادی شدہ مرد وعورت نے زنا کیا ہو اور آپ نے اسے کوڑوں کی سزا دی ہو۔لہذا فطری بات ہے کہ جو کچھ اب تک چلا آرہا تھا لوگوں کے اذہان نے سورہ النور کی آیات کو اسی پر منطبق کر لیا اور سمجھا کہ یہ غیر شادی شدہ زانیوں ہی کی سزا ہو گی۔ بہر حال یہ ایک اجتہادی لغزش تھی اور قرآن کریم کی نص صریح کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ اپنے فیصلوں اور اجتہادات کی کوئی اہمیت نہیں۔(۲۲)

عامر صاحب بتائیں کہ وہ کونسی نص ہے جس سے خلفائے راشدین تولاعلم تھے مگر عثمانی صاحب کے علم میں آگئی؟

ہم کہتے ہیں کہ اگر صورت حال واقعی وہی ہے جو عامر عثمانی صاحب بیان فرمارہے ہیں تو یہ بات اور بھی ضروری تھی کہ اللہ تعالی صاف صاف قرآن میں رجم کی سزا کی منسوخی کا اعلان فرماتے اور خلفائے راشدین اور آئندہ پیدا ہونے والے تمام امت کو بے رحمی سے خون ناحق سے محفوظ کر دیتے۔ کیونکہ اللہ تعالی کو تو ہر آنے والی چیز کا علم ہے۔یا پھر صحابہ کرام خاص کر خلفائے راشدین کے متعلق قرآن میں یہ اعلان نہ کرتے کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے تاکہ مسلمان ان کو مقتدا سمجھ کر ان کی تقلید نہ کرتے اور جان لیتے کہ ان کا علم عثمانی صاحب سے بھی کم تھا۔

مزید جب عامر عثمانی صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں میں پہلے سے یہ بات پختہ بیٹھی تھی کہ محصن زانیوں کی سزا رجم ہے اس لئے جب سورہ نور کی دوسری آیت نازل ہوئی تو سب صحابہؓ نے اس کو کنواروں پر محمول کیا تو اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ الزانیۃ والزانی کا الف لام عہد خارجی ہی ہے۔ پھر جبکہ قرآن نے ہی اس آیت کے اطلاق سے لونڈیوں اور حدیث اور قیاس نے غلاموں، مجنونوں، نابالغوں کو بھی اس سے خارج کر دیا ہو۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں جو بات بیٹھی تھی اور جو بات کہ عامر عثمانی صاحب کے نزدیک بھی فطری بات تھی اس عظیم غلطی کو دور کرنے کی نہ تو عالم الغیب خدائے ذوالجلال نے کوئی کوشش کی اور نہ اس کے رسول ﷺ نے کوئی کوشش کی بلکہ دونوں نے

صحابہ کرامؓ اور آنے والی امت کو اس فطری غلطی میں مبتلا رہنے کو جانتے بوجھتے ترجیح دی۔

هذا مبلغهم من العقل والعلم والفهم

لیکن عامر عثمانی جیسے لوگ خود اپنے دلائل سے مطمئن نہیں اس لئے بھی کچھ بہانہ بناتے ہیں پھر اس کو تسلی بخش نہ پاکر دوسرا بہانہ بناتے ہیں۔اس سلسلے میں مزید مختلف بات جو عامر عثمانی صاحب نے کہی ہے ہم اس کو مع اس کے جواب کے جو مولانا یوسف لدھیانوی صاحب نے دیا ہے بعینہ شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

آٹھواں شبہ :

''آنحضرت ﷺ کے مسلسل عمل کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ کا رجم کے حکم پر مسلسل عمل کرنا۔ ملاحدہ کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ انہیں اپنے غلط نظریہ سے رجوع کی توفیق نہیں ہوتی (اور کیسے ہو جب کہ دنیا میں ان کو ''نولہ ماتولی'' کی سزا مل چکی ہے) بلکہ کبھی تو ان حضرات کے فیصلوں کو اجتہادی غلطی کہہ کر اپنی ''غلطی اجتہاد'' کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور کبھی اس کو وقتی مصلحت پر محمول کرتے ہیں' چنانچہ عمر احمد عثمانی اپنی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں :

''اسی کا ایک دوسرا جواب بھی ممکن ہے اور وہ ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے کہ حضرات خلفائے راشدین نے اپنے عہد میں جب کہ اہل عجم کی کافی تعداد اسلام لا چکی تھی۔ اور ان کے معاشرہ میں کافی زنا کی گرم بازاری تھی۔ حضرات خلفائے راشدین نے زنا کی کثرت کو دیکھتے ہوئے ضروری سمجھا کہ اسے فساد فی الارض پر محمول کر کے سزا میں تشدید کی جائے تاکہ اس کی کثرت کا سدباب ہو سکے۔ (آگے محاربین کے بارے میں قرآن کریم کی آیت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زناکاری زمین میں فساد پھیلانے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اور زمین میں فساد پھیلانے کی سزا قتل کرنا ہے۔ قتل کرنے کی صورت میں امام سنگسار بھی کر سکتا ہے۔۔۔۔ بہر حال اس قسم کی تبدیلیاں مصلحت وقت کے مطابق کی جا سکتی ہیں اور کی جاتی رہی ہیں واللہ اعلم''

عمر احمد عثمانی کی تحریر میں یہ ٹیپ کا آخری بند ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ نے مصلحت وقت کی خاطر حکم خداوندی کو بدل ڈالا تھا۔۔۔۔ (اور بقول ان کے ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے)

علامہ عمر احمد عثمانی صاحب علامیت کی جس بلند ترین چوٹی پر بیٹھے ہیں کہ ''فقہ القرآن''

لکھ کر نہ صرف ائمہ اربعہ' تابعین عظام' صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدینؓ تک کی غلطیاں نکال سکتے ہیں بلکہ خاکم بدہن آنحضرت ﷺ کی بھی اصلاح کر سکتے ہیں۔ ان سے یہ توقع تو نہیں کہ اس بلند ترین چوٹی سے نیچے اتر کر مجھ ایسے کسی کم سواد طالب علم کی بات پر کان دھریں گے لیکن اس خیال سے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کو فہم وانصاف کی توفیق عطا فرمادیں' چند باتیں عرض کرتا ہوں :

۱۔ عثمانی صاحب کی ساری تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو آسمان سے زانی محصن (شادی شدہ) کے لیے سو کوڑوں کی سزا نازل فرمائی تھی۔ اور وہ قرآن میں درج بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ سزا ایسی تجویز فرمائی کہ اس کے یوم نزول سے لے کر آج تک اس پر کبھی عمل نہیں ہوا۔ خدا کا پیغمبر (ﷺ) تو اس حکم کے خلاف تورات پر عمل کرتا رہا۔ آپ ﷺ کے بعد حضرات خلفائے راشدینؓ نے بھی یا تو غلط فہمی کی بنا پر اور یا "مصلحت وقت" سے مجبور ہو کر اس حکم کے خلاف عمل کیا۔ اور خلافت راشدہ کے پورے دور میں ایک بار بھی اس حکم الٰہی پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ خلفائے راشدین کے بعد خلفائے اسلام اور ائمہ مجتہدین بھی مشرق سے مغرب تک اس پر متفق ہو گئے کہ زانی محصن کی سزا رجم ہے اور قرناً بعد قرن آج تک مشرق و مغرب کے اہل علم اسی کے قائل چلے آتے ہیں۔ میں عثمانی صاحب ہی سے انصاف چاہتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو فہم وانصاف عطا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسا حکم نازل کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی جس پر نہ اس کا رسول ﷺ عمل کرے۔ نہ خلفائے راشدین اور نہ بعد کے ائمہ دین و مجتہدین امت؟ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اس بات کو تو آپ "ناقابل فہم" فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا حکم اللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا لیکن اس کی تلاوت کو باقی رکھا۔ لیکن جو صورت آنجناب رقم فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم تو نازل فرمادیا لیکن پوری کی پوری امت کو مع اس کے رسول (ﷺ) کے اس پر عمل سے محروم رکھا' گویا عملاً آیت منسوخ و معطل رہی۔ اور اس پر ایک دن بھی عمل نہیں ہوا۔ یہ صورت جناب کی فہم عالی کے کس طرح "قابل فہم" ہو گئی؟

۲۔ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ رجم سے بچنے کے لیے آپ حضرات خلفائے راشدینؓ اور امت اسلامیہ کا جو نقشہ کھینچ رہے ہیں کوئی کٹر سے کٹر رافضی اور کوئی جلا بھنا مستشرق یہودی اس سے بدتر نقشہ کیا کھینچ سکتا ہے؟ کیا انہی حضرات کو اللہ تعالیٰ "خیر امت" کا خطاب دے رہا ہے جو خدا کے حکم کو (جو بقول آپ کے نص قطعی میں وارد ہے) مصلحت وقت پر قربان کر دیتے ہیں اور انہیں ایک دن کے لیے بھی حکم الٰہی پر عمل کرنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی؟

۳۔ ۰ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ زنا فساد فی الارض کا ایک بڑا ذریعہ ہے (میں آپ کی اس بات سے متفق نہیں ہوں۔ بلکہ اخلاقی لحاظ سے زنا کو فساد فی الارض سے زیادہ سنگین سمجھتا ہوں) پس اگر خدا تعالیٰ نے خود ہی فساد فی الارض کا سدباب کرنے کے لیے سنگساری کی سزا تجویز فرمادی ہو تو یہ بات آپ کی عقل شریف میں کیوں نہیں آتی۔ ؟

۴۔ آپ فرماتے ہیں کہ کثرت زنا کو روکنے کے لیے حضرات خلفائے راشدینؓ نے سنگساری کی سزا تجویز کرلی۔ سوال یہ ہے کہ یہ سزا اس جرم کے لیے موزوں تھی یا غیر موزوں؟ اور اس سے زنا کا سدباب ہوا یا نہیں؟ اگر یہ سزا اس جرم کے لیے موزوں نہیں تھی اور نہ اس سے زنا کا سدباب ہی ہوا تو قرآن کریم کا حکم تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ وہ حضرات ظلم و جور کے بھی مرتکب ہوئے۔ اس صورت میں تو ان کو ''حضرات خلفائے راشدین'' نہیں بلکہ نعوذباللہ ''خلفائے جائرین'' کہنا پڑے گا۔

اور اگر یہ سزا (سنگساری) جرم زنا کے لیے موزوں تھی اور اسی سے اس جرم کا سدباب ہو سکتا تھا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ کوڑوں کی سزا ناکافی اور غیر موزوں تھی اور اس سے جریمہ زنا کے انسداد کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ اب یہ فرمائیے کہ موزونیت و غیر موزونیت کا جو ٹھیک اندازہ ''حضرات خلفائے راشدین'' نے (بقول آپ کے مصلحت وقت کے لیے) لگایا کیا (معاذاللہ ثم معاذاللہ) خدا تعالیٰ کو اس کا علم نہیں تھا۔ اور وہ مصلحت و موزونیت کو اتنا بھی نہیں جانتا تھا کہ جتنا کہ حضرات خلفائے راشدین کو علم تھا؟ اگر سنگساری ہی زانی محصن کے مناسب و موزوں سزا تھی تو خدا تعالیٰ نے اس کا حکم کیوں نہ دیا؟

۵۔ آپ نے یہ افسانہ تو تراش لیا کہ اہل عجم کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے یکایک صورت حال بدل گئی تھی اور اس کی وجہ سے ''حضرات خلفائے راشدین'' حکم الٰہی کو بدلنے پر مجبور ہوگئے لیکن ذرا اس پر غور فرمائیے کہ کیا یہ صورت حال منٹوں' سیکنڈوں میں بدل گئی تھی؟ اور صورت حال کی تبدیلی سے پہلے زنا کا کوئی مقدمہ ہی پیش نہیں ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ صورت حال میں آناً فاناً تبدیلی نہیں آئی اور یہ بھی نہیں کہ آپ کی مفروضہ صورت سے پہلے زنا کا کوئی مقدمہ ہی نہ آیا ہو' تو اس صورت میں تو ''حضرات خلفائے راشدین'' کو رجم کا حکم نہیں کرنا چاہیے تھا۔ بلکہ بقول آپ کے قرآنی سزا جاری کرنی چاہیے تھی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رجم ہی کا حکم فرمایا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ آنجناب نے

"مصلحت وقت" کا جو افسانہ تراشا ہے وہ سراسر لغو ہے۔

۶۔ اس پر بھی غور فرمائیے کہ زنا کی کثرت قبل از اسلام عرب میں عجم سے زیادہ تھی۔ اگر کثرت زنا کو روکنے کے لیے رجم ہی کی سزا کارگر ہے تو آپ کو تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ سزا صرف عجمیوں کے لیے وضع نہیں کی گئی۔ بلکہ ابتدائے تشریع سے یہی سزا من جانب اللہ مقرر تھی۔

۷۔ یہ بھی خود تراشیدہ افسانہ ہے کہ عجمیوں کے مسلمان ہونے سے صحابہ کرامؓ کے دور میں زنا کی کثرت ہو گئی تھی۔ یہ نہ صرف صدر اول کے اسلامی معاشرہ کی غلط تصویر کشی کر کے اس کا حلیہ بگاڑنا ہے بلکہ واقعات و شواہد بھی اس کو جھٹلاتے ہیں۔ اس لئے کہ تیس سالہ دور خلافت میں پورے اسلامی معاشرہ میں زنا کے جو واقعات پیش آئے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے اور شاید ان کی تعداد ایک ڈیڑھ درجن سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اتنی بڑی قلمرو میں تیس سال کے طویل عرصے میں چند گنے چنے واقعات پیش آجانے کو زنا کی کثرت کہنا نہایت غلط ہے اور پھر اس پر احکام خداوندی کو تبدیل کر ڈالنے کی عمارت کھڑی کر لینا عقل و ایمان دونوں کا ماتم ہے۔

۸۔ اور اگر جناب عثمانی صاحب کے اس مفروضہ کو من و عن تسلیم کر لیا جائے تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ زنا کی کثرت 'جو فساد فی الارض کا بڑا ذریعہ ہے' آج کے دور میں خلفائے راشدین کے دور سے کچھ کم ہے ؟ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے دور میں طویل و عریض اسلامی قلمرو میں زنا کے جتنے واقعات رونما ہوئے آج کسی صوبے کے چھوٹے سے چھوٹے ضلع میں ان سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ اور تیس سال کی طویل مدت میں جتنے واقعات ہوئے آج تیس دن کی مختصر مدت میں ان سے زیادہ ہو رہے ہیں۔ پس جب کثرت زنا کا سدباب کرنے کے لیے حضرات خلفائے راشدین نے سنگساری کا حکم فرمایا تو آج جب کہ زنا کی کثرت اس زمانہ کی نسبت سینکڑوں گناہ زیادہ ہے۔ اس حکم کی مخالفت کر کے جناب عثمانی صاحب زنا اور فساد فی الارض کو فروغ دینے کے متمنی ہیں ؟

۹۔ عثمانی صاحب کا یہ کہنا کہ مصلحت کی بنا پر قرآنی احکام میں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں اور ہوتی رہی ہیں' خالص پرویزی نظریہ ہے' قرآن کریم کا ارشاد تو آنحضرت ﷺ کے بارے میں بھی یہ ہے :

"قل مایکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی- ان اتبع الامایوحی الی"

(اے نبی! کہہ دیجئے کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ اس کو اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔)

پس جب آنحضرت ﷺ بھی حکم خداوندی کو اپنی رائے سے تبدیل نہیں فرما سکتے تو کسی مومن کو کب یہ حق حاصل ہے کہ وہ قرآنی احکام میں مصلحت کی آڑ لے کر تبدیلیاں کر ڈالے۔ خصوصاً حضرات خلفائے راشدینؓ کے بارے بارے میں یہ تصور اور بھی زیادہ سنگین ہے۔

جہاں تک مصالح کا تعلق ہے 'احکام خداوندی میں خود ہی بندوں کی پوری پوری مصلحت کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ انسانی عقل' خدا سے زیادہ مصلحت کی رعایت کر سکے۔ اس لئے ''مصلحت'' کی آڑ میں حکم خداوندی کو بدلنے کا نظریہ کھلا کفر والحاد ہے۔

اس موضوع پر ترکی خلافت کے آخری نائب شیخ الاسلام شیخ محمد زاہد الکوثری کا ایک مقالہ ''مقالات کوثری'' میں شامل ہے۔ جس کا خلاصہ ''شریعت الٰہی'' کے عنوان سے ماہنامہ بینات بابت صفر المظفر ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا تھا۔ یہ پورا مقالہ لائق مطالعہ ہے' عمر احمد عثمانی کے اس نظریہ کے ابطال میں کہ ''ایسی تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور ہوتی رہیں گی'' اس کے چند اقتباسات نقل کرتا ہوں۔ شیخؒ لکھتے ہیں :

''اپنی خواہشات کے مطابق شریعت مطہرہ کو ڈھالنے کے لیے ایک گمراہ کن نعرہ ان لوگوں کی طرف سے یہ لگایا جاتا ہے کہ :

معاملات وغیرہ میں شرعی قوانین کی بنیاد مصلحت پر ہے۔ اگر نص مصلحت کے خلاف ہو تو نص کو چھوڑ کر مصلحت پر عمل کرنا ہی عین تقاضائے دین ہے''

اس شخص کی بدفہمی پر ماتم کرنا چاہیے جو اس قسم کی بات منہ سے نکالتا ہے اور اپنی ''جدید شریعت'' کے لیے اسے بنیاد بناتا ہے۔ یہ ''مصلحت'' کے نام پر شریعت کو درہم برہم کرنے اور محرمات شرعیہ کو حلال کرنے کی سازش ہے۔ اس فاجر سے ذرا پوچھئے کہ مصلحت سے' جس پر تم ''نئے دین'' کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں' کونسی مصلحت مراد ہے۔ اگر اس سے مراد ''مصلحت شرعیہ'' ہے تو اس کے معلوم کرنے کا راستہ معتزلہ تک کے نزدیک بھی (جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عقل کو حاکم مانتے ہیں) وحی کے سوا کچھ نہیں۔۔۔۔ اور اگر اس مصلحت سے مراد دنیوی مصلحت ہے جس کا اندازہ مختلف سطح پر ہوتا ہے تو ایک مسلمان کی نظر میں نص شرعی کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ عقل بعض اوقات مفسدہ کو بھی مصلحت بنا ڈالتی ہے جبکہ شریعت اس نقص سے پاک ہے اور اگر اس سے مراد وہ ''مصالح مرسلہ'' ہیں جو اصول فقہ اور قواعد کی کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں تو باتفاق علماء ان کا اعتبار صرف اس صورت میں کیا جاتا ہے

جہاں نص شرعی موجود نہ ہو۔ اس لئے نصوص کے مقابلے میں ان کا اعتبار لغو ہے"

"آخر کون مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ مصلحت دلائل شرعیہ سے ٹکرا بھی سکتی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحت سے واقف نہیں۔ گویا یہ مصلحت تراشنے والے اس کو خدا سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ یہ تصور ہی کب ممکن ہے کہ جو احکام خداوندی' نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ بھیجے گئے وہ بندوں کی مصلحتوں کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ یہ تو کھلا الحاد ہے۔ جو شخص اس قسم کی یاوہ گوئی پر کان دھرتا ہے اسے نہ دین کا کوئی حصہ نصیب ہے' نہ علم کا" (بینات صفر المظفر ۸۸ھ ص ۲۵/۲۶)

شیخ ؒ نے سلطان نورالدین زنگیؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے' جو عثمانی صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے لیے موجب صد عبرت ہے:

حافظ ابوشامہ مقدسی نے (ازھار الروضتین فی اخبار الدولتین" میں) ذکر کیا ہے کہ سلطان نورالدین شہید۔ وہ خدا ترس بادشاہ جس کی نظیر مسلمان بادشاہوں میں بھی کم ملے گی۔ جب سریر آرائے سلطنت ہوئے اس وقت ملک کی حالت اتنی ابتر تھی جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا' عقلاء دولت اصلاح حال کی تجاویز سوچنے لگے' آخر انہوں نے یہ طے کیا کہ مفسدین کا قلع قمع کرنے کے لیے صرف اتنا کافی نہیں کہ جس شخص کے جرم کا شرعی ثبوت مل جائے اس پر شرعی سزا نافذ کر دی جائے اور بس۔ بلکہ ضروری ہے کہ محض شبہ کی بنا پر لوگوں کو سخت ترین تعزیری سزائیں دی جائیں تاکہ امن قائم ہو جاے ء اور حالات معمول پر آجائیں' ان لوگوں نے اس زمانے کے مشہور عالم شیخ عمر موصلی سے درخواست کی کہ ان کا یہ صائب مشورہ بادشاہ سلامت کے گوش گزار کر دیں کیونکہ شیخ موصلی کی بادشاہ سے دیرینہ بے تکلفی تھی۔ چنانچہ شیخ نے ان کی یہ درخواست قبول کرتے ہوئے دربار عالی میں ایک عریضہ پیش کیا' جس میں ان دانشوروں کی یہ رائے درج تھی' کہ ملزموں کے جرم کے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر' ان پر سخت سزائیں جاری کی جائیں' بادشاہ نے عریضہ پڑھ کر اس کی پشت پر لکھ دیا:

"یہ ناممکن ہے کہ میں ایسے شخص کو سزا دوں جس کے جرم کا شرعی ثبوت نہیں' اور ناممکن ہے کہ میں ایسے شخص کی سزا سے چشم پوشی کروں جس کے جرم کا شرعی ثبوت موجود ہے' آپ کے مشورہ پر عمل کرنے کے معنی تو یہ ہوں گے کہ گویا۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔ میں اپنی عقل کو علم خداوندی پر ترجیح دیتا ہوں۔

اگر شریعت محمدیہ (علی صاحبھا الصلوٰۃ والسلام) انسانوں کی اصلاح کے لیے کافی نہ ہوتی' تو اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی (ﷺ) کو یہ شریعت دے کر نہ بھیجتا"

بادشاہ نے یہ لکھ کر وہ عریضہ شیخ کو واپس کر دیا' شیخ نے جب فرمان شاہی پڑھا تو بہت روئے اور کہا: صد افسوس! معاملہ الٹ گیا جو بات بادشاہ نے کہی ہے وہ مجھے کہنی تھی' شیخ نے اس سے توبہ کی۔ نور الدین زنگیؒ بدستور شرعی قوانین پر عمل پیرا رہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد ملک کی حالت بہتر ہو گئی۔ فتنہ و فساد ختم ہو گیا اور ملک میں ایسا امن قائم ہوا کہ کوئی حسین ترین عورت اپنے ساتھ قیمتی زر و جواہر لے کر تن تنہا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گھوم جائے تو کسی کے دل میں یہ خیال تک نہیں آتا تھا کہ وہ اس کے مال یا آبرو پر ہاتھ ڈالے" ماہنامہ "بینات' ص ۲۲/ ۲۳) (۲۳)

خلاصہ یہ کہ عثمانی صاحب (اور دیگر ملاحدہ) کا یہ کہنا کہ "مصلحت" کے پیش نظر شریعت الٰہی کو بدلا جا سکتا ہے' حرف باطل ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ حضرات خلفائے راشدین ایسا کرتے تھے' نہ صرف دروغ بے فروغ ہے' بلکہ ان کا اکابر پر تہمت بے جا بھی ہے۔ جسے سن کر "سبحانک ھذا بھتان عظیم" کی تلاوت کرنی چاہیے۔

مغرب میں سو کوڑے بھی بے رحمی ہے:

مغرب زدہ لوگ تو سو کوڑوں کو بھی بے رحمی سمجھ کر ان میں کمی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ مغرب میں زنا بہت عام ہے۔ اس لئے یہ متجددین تو مغرب کو خوش کرنے اور رفتہ رفتہ اس ملک میں بھی اسی طرح زنا کو عام کرنے کی خاطر سو کوڑوں کی سزا کو بھی دل سے قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ قرآنی حد ہے۔ اس میں کمی بیشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ حد کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کا بھی ہم قبل ازیں حوالہ دے چکے ہیں۔

مغرب کی پیروی میں یہ متجددین اگر قاضی بن جائیں تو کوئی نہ کوئی بہانہ سو کوڑوں میں کمی کا پیدا کر لیں گے۔ ایک برخوردار فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک آیہ جلد۔۔۔ (النور: ۲) "زانی عورت اور زانی مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو" کے حکم عام کے بارے میں مجرم کی حالت کے پیش نظر' عقل و حکمت اور عدل و انصاف کی رو سے اگر کوئی سوال فی الواقع پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مادی' اخلاقی یا معاشرتی مجبوری کی بنا پر اگر اپنی جنسی ضروریات جائز طریقے سے پوری کرنے سے قاصر ہو یا بیوی

کی بیماری، عدم التفات یا دوسری کسی واقعی مجبوری (۲۴) کے باعث تقوی احتیاط تعفف اور پاک دامنی کی زندگی بسر کرتے کرتے اچانک کسی غیر معمولی محرک کی وجہ سے جذبات سے مغلوب ہو کر اس جرم کا ارتکاب کر بیٹھے اور قاضی اس کے سیرت و کردار اور حالات کا جائزہ لے کر پورے اطمینان کے ساتھ حالات کی اس تصویر کو واقعی تسلیم کرلے تو کیا وہ اس کی سزا میں کمی کر سکتا ہے؟ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔ قاضی صرف اسی صورت میں تخفیف کا مجاز نہیں، مجرم کے احوال میں تغیر کی ہر ممکنہ صورت کے سامنے آنے پر اسے چاہیے کہ وہ اپنا اختیار استعمال کرے۔ سو کوڑوں کی سزا تو اسے صرف کسی ایسے مجرم کو دینی چاہیے جس کے حالات ہر لحاظ سے اس انتہائی سزا کے متقاضی ہوں۔ قانون اسلام کا یہی وہ اصول ہے جس کے تحت حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں چوری کے مجرموں کو قطع ید کے سزا دینے سے احتراز فرمایا تھا۔ اور جس کے مصالح کی وضاحت کے لیے اسلامی قانون کے فلسفہ و حکمت کے ماہرین اپنی کتابوں میں "تغیرالفتوی واختلافھابحسب تفیرالازمنة والا مکنة والاحوال والنیات والعوائد" کے عنوان سے مستقل ابواب قائم کرتے ہیں۔ (۲۵)

کیونکہ برخوردار نے خاص طور پر کہا ہے کہ ان کی رائے میں غلطی پر مطلع کیا جائے تو اس سے لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے دور میں ہاتھ کاٹنے سے جو منع کیا تھا وہ حضور ﷺ کی حدیث کی بنا پر کیا تھا۔ اس حدیث کو اہل سنت و اہل تشیع دونوں کے ہاں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ آیۃ سرقۃ میں احادیث سے جہاں اور بہت سی تخصیصات کی گئی ہیں وہاں ایک تخصیص یہ بھی ہے۔ اس کو مفصل ہم نے باب "السرقۃ" میں بیان کیا ہے۔ یہاں فتوی کی تبدیلی کا مسئلہ نہیں بلکہ تخصیص کا مسئلہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قانون کے ماہرین نے بہت ہی خاص حالات میں سابق فتوی میں تبدیلی کا ذکر کیا ہے لیکن حد میں تبدیلی کا ذکر نہیں کیا۔ حد میں تبدیلی یا نص میں تبدیلی نہیں ہو سکتی جب تک کہ سنت سے کوئی تخصیص ثابت نہ ہو۔ ورنہ یہ تو قاضیوں کو خدائی یا رسالت کے اختیارات دینے کے مترادف ہو گا جب کہ حضور ﷺ پر وحی اترتی تھی اور کوئی قاضی وحی اترنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ (یاد رہے کہ حضرت ماعزؓ کا بھی واقعہ اچانک غیر معمولی محرک کی وجہ سے ہوا تھا ورنہ ان کا کردار بہت نیک تھا) عجیب بات ہے کہ بڑے صاحب تو پیشہ ور زانیوں اور عادی زانیوں کے لئے رجم کی سزا مقرر کر رہے ہیں یعنی زنا کی انتہائی سزا رجم کو تسلیم کر رہے

ہیں۔ اور برخوردار انتہائی سزا سو کوڑے قرار دے رہے ہیں۔ اس طرح تو نہ صرف کنوارے لوگ بلکہ ہر شادی شدہ بھی زنا کے بعد اگر وہ پکڑا جائے گا تو یہی کہے گا کہ میری بیوی کی آج کل صحت اچھی نہیں تھی یا یہ کہ میری بیوی حاملہ ہے یا اس کا التفات کم ہو گیا تھا۔ اور یہ کہ اگر وہ قابل وکیل کی وکالت سے سزا کو سو کوڑوں سے جتنا مرضی کم کرالیا کرے گا۔ اس طرح سے قاضیوں کے لیے زنا کی مقدمات میں سفارش اور رشوت کے دروازے کھل جائیں گے۔

بات یہ ہے کہ سخت مجبوری بیوی کے ہوتے ہوئے بہر حال پیش نہیں آسکتی۔ بیمار بیوی یا جو بیوی جماع کے لیے تیار نہ ہو پھر بھی اس سے جوش ٹھنڈا کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یورپ میں نارمل لوگوں کی اکثر عورتیں بھی خاص جماع کے بغیر خاوند سے دوسرے طریقوں سے تسکین اکثر یا بسااوقات حاصل کرتی ہیں اور مردوں کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی تفصیلات تو یہاں بیان نہیں ہو سکتیں البتہ کتاب کا نام درج کئے دیتے ہیں جس کو پڑھ کر ہمارا عندیہ واضح ہو جائے گا۔ The Hite Report اس کے علاوہ کنزے کی دونوں کتب بھی ہمارے نکتہ کو واضح کرتی ہیں۔

ایک ڈاکٹر صاحب کا اعتراض: ایک ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ نبی ﷺ قرآنی حکم سے پہلے توراۃ کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور بنو قریظہ کا فیصلہ بھی آپ ﷺ نے توریت کے مطابق کیا تھا اور رجم کا بھی۔ (حالانکہ بنی قریظہ کا فیصلہ آپ نے نہیں کیا تھا)

مذکورہ بالا بات بالکل غلط ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ توراۃ حضور ﷺ کے زمانے سے پہلے ہی محرف ہو چکی تھی۔ دوسرے مدینہ میں توراۃ عبرانی زبان میں تھی۔ کسی ایک روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ آپ نے توراۃ کا عبرانی نسخہ اپنے پاس رکھا ہو یا اس کا عربی ترجمہ رکھا ہو اور اپنے فیصلہ میں اس کی مدد لی ہو۔ جس نے حدیث کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ حضور ﷺ مشکل معاملات میں ہمیشہ وحی کے منتظر رہا کرتے تھے۔ لوگ جو سوال کیا کرتے تھے آپ ﷺ نے کبھی ان کا جواب توراۃ سے معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ وحی کا انتظار کیا۔ خود یہودیوں نے آپ ﷺ سے بعض ایسے سوالات کئے جو ان کے عالموں کو معلوم تھے اور ان کی کتابوں میں موجود تھے۔ ان کے جوابات کے لیے بھی کبھی آپ ﷺ نے اہل کتاب کی کتب کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ وحی کا انتظار کیا۔ جہاں تک رجم کا معاملہ ہے۔ اس کے متعلق بھی ساری بات آپ ﷺ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتائی۔ قرآن نے زانی محصن کی سنگساری کے حکم کو "فیھا حکم اللہ" کہہ کر برقرار رکھا اور اس حکم کے غیر محرف ہونے کی بھی تصدیق

کردی۔ تواب یہ حکم تو قرآن کا حکم بن گیا کیونکہ قرآن نے اس کے غیر محرف و غیر منسوخ ہونے کا اعلان کر دیا۔ پس رجم کی سزا "فیھا حکم اللہ" کے بعد دی گئی۔ یہ سورہ مائدہ کی آیت ہے جو آخیر دور میں نازل ہوئی۔ اسی سورہ میں آخری نازل ہونے والی آیت بھی ہے۔

جہاں تک بنی قریظہ کا معاملہ ہے یہ شروع دور کا واقعہ ہے۔ دوسرے اس مقدمہ کے جج نبی ﷺ نہ تھے۔ آپ ﷺ تو ایک فریق تھے۔ بنو قریظہ قبیلہ اوس کا حلیف تھا اور یہ رشتہ عرب میں نسب سے بھی بڑھ کر سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے خود یہودیوں نے اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو ثالث مقرر کیا اور نبی ﷺ نے ثالثی تسلیم کر لی۔ حضرت سعد کے بنو قریظہ سے گہرے تعلقات تھے اور انہوں نے یہودیوں کی شریعت کے مطابق ان کا فیصلہ کیا اور یہودیوں نے خوش دلی سے اس کو قبول کر لیا۔ (۲۶) کیونکہ نبی ﷺ ایک فریق تھے اور حضرت سعد کی ثالثی قبول کر چکے تھے۔ جب ثالث اور دوسرا فریق اس فیصلہ پر متفق ہو گیا تو نبی ﷺ بھی ثالث کے فیصلہ پر خاموش ہو گئے اور ثالث کے فیصلہ کو قبول کرنے کے وعدے پر قائم رہے۔ وہ کرتے بھی کیا۔ اس مقدمہ کے وہ جج تو تھے ہی نہیں۔ محض فریق تھے اور فریق کے لیے تسلیم کردہ ثالث یا جج کا فیصلہ قبول کرنا وعدہ کے مطابق ضروری تھا۔ رجم کے مقدمہ کے تو جج نبی اکرم ﷺ تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ آپ ﷺ اپنا فیصلہ قرآن کے مطابق دیں۔ نبی ﷺ کو قرآن نے یہ اختیار تو دیا تھا کہ اہل کتاب کا فیصلہ کریں چاہے نہ کریں۔ (فان جاؤک فاحکم بینھم اواعرض عنھم) (۲۷) لیکن جب نبی ﷺ فیصلہ کریں تو ضروری ہے کہ وہ فیصلہ اس وحی کے مطابق کیا جائے جو خود نبی ﷺ پر نازل ہوئی کیونکہ ماقبل کی کتب محرف ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ صاف صاف قرآن میں فرماتے ہیں اور اس کا اشارہ انہیں یہودیوں کی طرف ہے:

"وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ۔۔۔ الخ") (المائدہ : ۴۸)

(اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کی محافظ و نگہبان ہے)

اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اب یہ فتنہ کیا تھا؟ بات یہ تھی کہ قرآن میں حکم نازل ہوا کہ شادی شدہ زانیوں کی سزا توریت میں مذکور ہے اور صاف کہا گیا کہ یہ مقدمہ تمہارے پاس فیصلہ کے لیے کیوں لائے

ہیں جبکہ اس کا صاف صاف حکم تورات میں موجود ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں :

"وکیف یحکمونک وعندھم التوراۃ فیھا حکم اللہ"(المائدہ: ۴۲)

اس آیت کے اترنے کے بعد جب نبی ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ تورات میں کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا کہ سو کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا۔ گویا اس طرح یہودی آپ کو فتنہ میں ڈال کر اپنے زعم میں دھوکہ دیکر سو کوڑوں کا غلط فیصلہ کرانا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو متنبہ کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آپ کو عربی میں توریت کی آیت کا ترجمہ سنا دیا اور آخر کار توریت میں سے بھی رجم کی آیت ان کے چھپائے نہ چھپ سکی اور سامنے آکر رہی۔ یوں توریت کا حکم قرآنی بن کر نافذ ہوا۔

یہ خاص اہل کتاب یہودیوں کے لیے حکم تھا کہ اگر آپ ان کے مقدمہ کا فیصلہ کریں تو اس وحی کے مطابق کریں جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ورنہ ویسے بھی عام سب انسانوں کے متعلق مقدمات کے لیے بھی قرآن کی ہدایت آپ کو یہی تھی کہ آپ اس وحی کے مطابق فیصلہ کریں جو آپ پر نازل ہوئی ہے۔ پس یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آپ نے ان یہودیوں یا کسی دوسرے مقدمہ کا فیصلہ اس وحی کے مطابق نہ کیا ہو جو آپ پر نازل ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے لے کر آج تک علماء اس بات کو واضح کرتے رہے ہیں کہ رجم کے تمام فیصلے قرآن کے مطابق تھے۔ اس میں سیرت نگار، مفسرین، محدثین، مورخین سب ہی شامل ہیں۔

مورخ امام سہیلی کا قرآنی استدلال : امام سہیلی نے سیرت ابن اسحٰق کی شرح لکھی ہے جس کا نام روض الانف ہے۔ اس میں آپ یہودیوں کے رجم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ان یہودیوں کے قصہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں جن میں فرمایا کہ یہ تمہیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔ ہم نے توراۃ نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ سارے نبی جو مسلم تھے اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ یعنی محمد ﷺ اور وہ لوگ جو آپ ﷺ سے قبل رجم کے حکم کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ ان یہودیوں کے لیے جو فیصلہ کرانے آئے تھے رجم کے حکم کے مطابق فیصلہ سنایا۔ جناب محمد ﷺ اور ربانیوں یعنی عبداللہ بن سلام اور ابن صوری جو احبار میں سے تھے۔ انہوں نے یاد رکھا کہ رجم کا حکم

توراۃ میں ہے۔ جنہوں نے اس کو بدلا اور اس میں تغیر کیا تو انہوں نے شہادت دی۔ یہودیوں کے سامنے۔ یہ قول یہاں تک ہے کہ قرآن میں جو آیا ہے کہ جو وحی منزلہ کے مطابق فیصلے نہ کریں تحقیق وہی لوگ کافر ہیں۔(۲۸) اس وجہ سے نبی ﷺ نے رجم کا حکم دیا۔ ساری بات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ رجم قرآن میں ہے اور جو روایت مجھ کو امام مالکؒ سے پہنچی ہے اس کے مطابق انہوں نے بھی ان آیات کی یہی تفسیر کی ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ نے دونوں آدمیوں (عسیف کا واقعہ) سے کہا کہ میں تمہارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق کروں گا اور پھر رجم کا فیصلہ سنادیا۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ و حضرت محمد صلی اللہ علیہما وسلم پر نازل ہونے والی کتب میں بیان ہوا ہے۔ (یعنی توراۃ اور پھر قرآن کریم میں)(۲۹)

مورخ ابن اسحاق اور رجم: ابن اسحاق نے سیرت میں یہودیوں کے رجم کے واقعہ کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ ان بہت سی روایتوں میں تفصیلات دی گئی ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ساتھی ہی ابن اسحاق شان نزول کے طور پر لکھتے ہیں :
ان کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں :

"اے رسول تمہارے لئے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں تیز گامی دکھا رہے ہیں۔ جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر دل ان کے ایمان نہیں لائے۔ جو یہودی ہیں ان کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں اور دوسروں کی خاطر جو تمہارے پاس نہیں آئے۔ سن گن لیتے پھرتے ہیں) یعنی وہ لوگ جنہوں نے انہیں بھیجا اور خود پیچھے رہے اور ان کو کہا کہ حکم کو اپنی جگہ سے پھیر دینا (پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیر دیتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ (اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے) اور رجم کا حکم دیا جائے (تو اس کو نہ مانو) الی آخر القصۃ (الروض الانف : ج ۲، ص ۴۳-۴۴)

ابن قتیبہ اور رجم : مورخ ابن قتیبہ نے حضرت ماعزؓ کے رجم کو عیون الاخبار میں بیان کیا ہے اس کے حوالے آگے آ رہے ہیں۔

سورہ مائدہ اور رجم : آج کل جو لوگ رجم کو حد نہیں تسلیم کرتے وہ بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ سورہ مائدہ کی مندرجہ ذیل آیات یہودی زانیوں کے متعلق ہی نازل ہوئیں جن کو حضور ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ اس لئے ہم اس کے شان نزول کے متعلق بہت سے حوالے

پیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ نہ صرف تمام مفسرین۔ محدثین بلکہ مورخین مثلاً ابن اسحاق، سہیلی۔ ابن جریر، محمد بن یوسف الصالحی الشامی، خطیب (تاریخ بغداد) وغیرھم نے بھی یہود کے رجم کا واقعہ بیان کیا ہے۔

غرضیکہ سورہ مائدہ کی آیات جو "یاایھاالرسول لایحزنک الذین یسارعون فی الفکر" سے شروع ہو کر آگے تک چل رہی ہیں وہ یہود کے رجم کے سلسلے ہی میں نازل ہوئیں۔ ان کا ذکر کچھ ہم کر چکے ہیں اور آگے امام رازیؒ کی تفسیر سے ہم نے نقل کیا ہے۔

جس شخص میں ذرا بھی فہم اور ادراک ہے اس پر واضح ہے کہ اگر اللہ تعالی نے رجم کے حکم کو بدلنا ہوتا یہ بہترین موقع تھا۔ یہودی تو آسانی چاہ ہی رہے تھے۔ وہ تو پہلے ہی رجم کی سزا کو سو کوڑوں میں تبدیل کر چکے تھے۔ اگر اس وقت رجم کو منسوخ کر دیا جاتا تو یہود کی تالیف قلوب ہو جاتی۔ مگر اللہ تعالی نے تو رجم کے حکم کو قیامت تک کے لیے قائم رکھنا تھا۔ اس لئے یہودیوں کی ناراضگی اور مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے "فیھا حکم اللہ" کہہ کر رجم کے حکم کی تصدیق قیامت تک کے لیے کر دی اور حضور ﷺ سے اس پر کئی مرتبہ عمل بھی کرا دیا تاکہ یہ سنت ثابتہ بن جائے۔

<u>امام رازیؒ کا بیان</u>: امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ "اہل خیبر کے یہود کے معزز خاندان کے ایک مرد اور عورت نے زنا کیا اور توریت میں زنا کی سزا رجم تھی۔ یہود نے ان کے معزز ہونے کی وجہ سے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا اور کچھ لوگوں کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ وہ محصن زانیوں کی سزا کا حکم دریافت کریں۔ ان سائلوں کو یہ نصیحت کر دی کہ اگر حضور ﷺ کوڑوں کی سزا تجویز کریں تو اسے قبول کر لیا جائے۔ (۳۰) اور اگر رجم کا کہیں تو ان کی بات رد کر دی جائے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کے پاس آ کر سزا کا مسئلہ دریافت کیا تو جبرائیل رجم کا حکم لے کر نازل ہوئے۔ اس پر یہود نے رجم کی سزا کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے انکار پر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کو مشورہ دیا کہ ان سے کہیں کہ ابن صوریا کو حکم مقرر کر لیں۔ پس آنحضرت ﷺ نے یہود سے پوچھا کہ تم لوگ ابن صوریا کو جانتے ہو جو فدک میں رہتا ہے۔ اس کا نام سن کر یہود نے کہا کہ وہ شخص روئے زمین پر یہودیوں کا سب سے بڑا عالم ہے۔ پس یہودی اس کو حکم بنانے پر راضی ہو گئے پس حضور ﷺ نے ابن صوریا سے پوچھا کہ تم کو اس خدائے واحد کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا اور تمہارے

سروں پر طور کو مسلط کیا اور تم لوگوں کو بچایا جبکہ آل فرعون کو غرق کیا اور جس خدا نے تم پر اپنی کتاب نازل کی اور حرام و حلال کے احکام نازل کیئے۔ کیا تم اس کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے رجم کا حکم پاتے ہو یا نہیں۔ ابن صوریا نے یہ باتیں سن کر ہاں کہہ دیا۔۔۔ الخ۔

اس کے بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ جب تم کو یہ قصہ معلوم ہو گیا تو ہم اب یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے قول "یحرفون الکلم من بعد مواضعہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہود نے اپنے طور پر رجم کی جگہ کوڑوں کی سزا رائج کر دی تھی اور اللہ تعالی کے قول "یقولون ان اوتیتم ھذا فخذوہ وان لم تؤتوہ فاحذروا" کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت محمد (ﷺ) کوڑوں کی سزا تجویز کریں تو اس کو قبول کر لینا اور اگر رجم کی سزا کا حکم دیں تو نامنظور کر دینا۔ اس کے بعد امام رازیؒ لکھتے ہیں :

"جان لو کہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ذمی شادی شدہ ہو تو اس کا رجم کیا جائے گا۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذمی کو رجم کی سزا دی۔ اگر ذمی کا رجم شریعت محمدی میں ہے تو ہماری بات ثابت ہو گئی۔ اور اگر یہ حکم شریعت موسوی کی بنا پر دیا گیا تھا تو پھر بھی یہ بات واجب ہو گئی کہ ہمارے دین میں بھی یہ حکم مشروع ہو۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے توریت کی شریعت کے مطابق فتوی دے دیا تو اس مسئلہ میں ہم پر بھی آپ کی متابعت واجب ہو گئی کیونکہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن میں حکم صادر کر دیا ہے (فاتبعوہ)۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جو چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ثابت ہوئی تو اصل یہی ہے کہ اس کا حکم باقی رہے گا جب تک کہ وہ حکم منسوخ نہ ہو۔ اور ہماری شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی جس سے کہ اس حکم کے منسوخ ہونے پر دلالت کی جاسکے۔ پس یہ واجب ہوا کہ وہ حکم باقی ہے۔ اسی طریقہ سے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالی کے اس قول (وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے جان کے بدلے جان کا حکم لکھ دیا۔ تو یہ حکم بھی ہماری شرع میں باقی ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی : ج ۱۱، ص ۲۳۱-۲۳۲)

مذکورہ بالا آیت نمبر ۴۲ میں صاف حکم حضور ﷺ کو دیا جا رہا ہے جب غیر مسلم تمہارے پاس مقدمہ لے کر آئیں تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرو۔ یہ حکم اس پر دال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کا جو فیصلہ کیا وہ ابدی انصاف پر مبنی تھا۔ انصاف بدلتا نہیں۔ قرآنی آیات مثلاً "فیھا حکم اللہ" (بما انزل اللہ' اور اولئک الذین اتیناھم الکتاب 'فبھداھم

اقتدہ' اور ماانزل اللہ اوران حکمت فاحکم بینھم بالقسط وغیرہ سب آیات ثابت کر رہی ہیں کہ قرآن کے نزدیک رجم کا فیصلہ سنت اللہ بھی ہے اور وحی کے مطابق بھی ہے اور عین انصاف بھی ہے۔اس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

رشید رضا کا بیان: تفسیر المنار میں احمد' مسلم' ابو داؤد' نسائی' نحاس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ کو بتایا کہ ان کی کتاب میں رجم کی سزا مرقوم ہے لیکن جب ان کے اشراف میں زنا کی کثرت ہو گئی تو جب شریف پکڑا جاتا تو اس پر حد قائم قائم نہ کی جاتی اور جب ضعیف پکڑا جاتا تو اس پر حد قائم کر دی جاتی۔اس لئے انہوں نے سوچا کہ سب کے لیے ایک ہی سزا مقرر کر دی جائے۔پس انہوں نے کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا مقرر کر دی۔آگے صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں:

"یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ میں اول درجہ میں وہ شخص ہوں جب تیرے کسی حکم کو لوگ فنا کر دیں تو میں اس کو دوبارہ زندہ کروں۔یہ کہہ کر آپ نے رجم کا حکم دیا اور ان دونوں کو رجم کر دیا گیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یہودی کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اگر وہ کوڑوں اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو منظور کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو اس کو مت ماننا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں کہ جو لوگ وحی منزلہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں پس وہ کافر ہیں۔جو لوگ وحی منزلہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔وہ لوگ جو وحی منزلہ کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق ہیں"(۳۱)

مذکورہ بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر المنار نے بھی باقی تمام مفسرین کے اجماع کے مطابق رجم کو اسلامی حد تسلیم کیا ہے اور بھلا حضور ﷺ کیسے نہ اس وحی منزلہ کے حکم نافذ کرتے جس کے خلاف عمل کرنے والے کو قرآن کافر' ظالم' فاسق قرار دے رہا ہے۔

شراب نوشی کے متعلق ہم نے الگ سے بہت تفصیل سے لکھا ہے' یہاں شراب کے متعلق ہم اتنا بتا دیں کہ اس کی برائی توراۃ اور انجیل دونوں میں ملتی ہے اور بعض عیسائیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ شراب ان کے مذہب میں حرام ہے۔خود امریکہ میں تقریباً ۸۰ سال اس کا استعمال خلاف قانون رہا ہے۔ایک مریکن صدر کے دور میں وہائٹ ہال میں شراب کا پیش کرنا بھی بند ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے اس کی بیوی کا نام لیمونیڈ لوسی پڑ گیا تھا۔یورپ اور امریکہ میں اس کے خلاف تحریک بھی چلتی رہی ہے۔عورتوں نے ریلوے گوداموں میں جا کر شراب کے پیپے کلہاڑوں سے توڑ کر

بہادیئے تھے۔ اب تو کار ڈرائیونگ کی وجہ سے اس کا استعمال سخت خطرناک ہو گیا ہے۔ یورپ میں جس ڈرائیور کے خون میں ایک فیصد الکوحل ہو اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔

استثنا باب ۲۱ آیات ۲۰'۲۱ میں کہا گیا ہے کہ اگر بیٹا ماں باپ کا نافرمان اور شرابی ہو تو اسے سنگسار کر دیا جائے۔ انجیل میں تیمتھیس کے نام پہلے خط میں یوں درج ہے :

''یہ سچ ہے کہ جو شخص نگہبان کا عہدہ چاہتا ہے وہ اچھے کام کی خواہش کرتا ہے۔ نشہ میں غل مچانے والا یا مار پیٹ کرنے والا نہ ہو۔۔۔ اسی طرح خادموں کو بھی سنجیدہ ہونا چاہیے۔ دوزبان اور شرابی اور ناجائز نفع کے لالچی نہ ہوں۔ (31-A)

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اس دور میں آج کی طرح خاص کر مڈل ایسٹ میں چینی وغیرہ دستیاب نہ تھی۔ اس لئے لوگ شربت کی بجائے رات کو کھجوریں بھگو کر صبح کو پانی پی لیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں رات بھر میں اور سردیوں میں تین دن تک بھی اس میں نشہ نہیں پیدا ہوتا۔ عام حالات میں لو نبیذ ہی پیتے تھے۔ بعض لوگ اس کو زیادہ دن رکھ کر یا خاص طریقوں سے نشہ پیدا کرتے تھے ایسے محلول کو پینے والے شرابی کہلاتے تھے۔ شراب کے متعلق بھی توراۃ' انجیل میں جس تحریف ہوئی ہو گی۔

پھر یہ بھی معلوم ہو کہ قدیم طریقوں سے جو بیر یا شراب بنائی جاتی تھی اس میں نشہ کم یا نہ ہونے کے برابر ہوتا تھا۔ محض قدیم طریقوں سے دو یا چار فیصدی یا کچھ زیادہ الکوحل کا محلول انگوروں سے بڑی مشکل سے تیار کیا جا سکتا ہے کیونکہ ۱۵ فیصد الکوحل کا محلول اگر کسی چیز میں موجود ہو تو اس سے بڑھنا ممکن نہیں رہتا کیونکہ ۱۵ فیصد الکوحل جراثیم کش ہو جاتی ہے اور مزید ابال (Fermentation) رک جاتا ہے۔ زیادہ تیز شراب کا بنانا تو صرف کشید کرنے سے نویں صدی میں دریافت ہوا۔ قرآن کیونکہ آخری کتاب تھی اور اس کے نزول کے بعد یہ طریقہ بھی دریافت ہونا تھا اور دیگر وجوہات کی بنا پر قرآن میں اس کو سختی سے حرام کر دیا گیا۔ ورنہ خود توراۃ اور انجیل میں اس کی برائیاں بیان ہوئی ہیں اور بدھ مذہب وغیرہ میں تو یہ اسی طرح حرام ہے جس طرح اسلام میں حرام ہے۔ اسلام میں شراب حرام ہے مگر صحیح یہی ہے کہ اس کی حد قرآن یا حضور ﷺ سے ثابت نہیں۔ تعذیر میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک چالیس کوڑے اور بعض کے نزدیک ۸۰ کوڑے ہیں۔

امام رازی کی مزید بحث : امام رازی صفحہ ۲۳۶ پر مزید لکھتے ہیں :

”پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم ان کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو۔ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یعنی تم ان کا فیصلہ عدل اور احتیاط سے ایسے ہی کرو جیسے کہ اب تم نے رجم کے ذریعے عدل اور احتیاط کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وہ تم کو کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توریت ہے اور اس میں اس سلسلے میں اللہ کا حکم موجود ہے۔“

امام رازیؒ کہتے ہیں کہ اس میں دو مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے یہود کے تحکیم کے لیے آنے کے سلسلے میں تعجب کا اظہار کر رہا ہے کہ جب یہ جانتے ہیں کہ زانی کے لیے توریت کا کیا حکم ہے پھر کیوں آپ سے فیصلہ کرانے آتے ہیں۔۔۔ الخ۔

قرطبی کے دلائل :امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں اس مقام پر حکم سے رجم کا حکم مراد لے کر فرماتے ہیں:

”کیا اللہ تعالیٰ کا قول اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ تورات میں خدا کا حکم ”فیھا حکم اللہ“ یہ اللہ کا حکم منسوخ نہیں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو علی کا کہنا یہی ہے کہ جی ہاں کیونکہ اگر یہ حکم منسوخ ہوتا تو نسخ کے بعد اس پر حکم اللہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا تھا جیسے شراب کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شراب کا حلال ہونا خدا کا حکم ہے۔ سبت کا حرام ہونا خدا کا حکم ہے۔(۳۲)

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ جب رجم کے حکم کی طرف اشارہ کر کے قرآن نے اعلان کر دیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے (فیھا حکم اللہ) تو اب الگ سے رجم کی آیت کی ضرورت نہ رہی۔ اس لئے جو ترجمہ اترا اس کو بھلا دیا گیا۔ رجم کا حکم باقی اس لئے ہے کہ قرآن کی ۳۰ آیات رجم کے حکم پر دال ہیں اور جب رسول اللہ ﷺ نے اس پر تفصیل کے ساتھ عمل کر کے بھی دکھا دیا تو پھر محمد ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لیے اس میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ مخالفین کو ”فیھا حکم اللہ“ والی آیت کو منسوخ قرار دینا ہوگا جس کا کوئی قائل نہیں۔

رازی کا مزید بیان :اب اگلی آیات لیجئے:

”انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون ۔۔الخ“

مذکورہ بالا آیت کے متعلق امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس میں یہود کے لیے تنبیہ ہے جو

رجم کے وجوب کے منکر ہیں اور ان کے لیے ترغیب ہے کہ وہ بھی مسلم احبار اور انبیاء کے مطابق اس پر عمل کریں۔ مزید لکھتے ہیں کہ زجاج کا قول ہے (فیھا ھدی) سے مطلب اس حکم کا بیان ہے جس کے متعلق وہ نبی ﷺ کے پاس سوال لے کر آئے تھے۔ اور یہ کہ (نور) سے مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا رجم کا حکم حق ہے۔ (۳۳)

پھر آپ لکھتے ہیں کیونکہ یہ آیت مسئلہ رجم کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے اس لئے ہدایت اور نور سے محض اصول دین مراد نہیں بلکہ احکام شرعیہ بھی مراد ہیں۔ اور دیگر احکام شرعیہ اس کے تحت ہونے کے متعلق تو اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس پر اتفاق ہے۔ آیت مذکورہ کے سبب نزول کا حکم تو ہر حالت میں اس کے تحت داخل ہے۔ ہم قرآن سے ثابت کر چکے ہیں کہ حدود دین میں سے ہیں۔

رازیؒ اور آلوسیؒ: پھر اللہ کے قول "یحکم بھاالنبیون الذین اسلموا للذین ھادو والربانیون ۔۔الخ کے متعلق امام رازیؒ لکھتے ہیں حسن۔ زہری، عکرمہ، قتادہ، سدی کے نزدیک (بالنبین الذین اسلموا) سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یہ اس لئے کہ آپ ﷺ نے ہی یہودیوں پر رجم کا حکم نافذ کیا جو کہ تورات کا حکم تھا۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسے کہ اللہ کے اس قول (ان ابراھیم کان امة) میں حضرت ابراھیم کو امت کہا گیا ہے۔۔ الخ)(۳۴)

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں عکرمہ کی روایت بیان کرتے ہیں کہ "یحکم بھا النبیون" سے مراد ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان سے پہلے انبیاء مراد ہیں اور اس سے یہ دلیل ثابت ہوتی ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعتیں ہمارے لئے بھی ہیں ماسوا اس کے کہ ان میں سے کوئی حکم منسوخ ہو گیا ہو۔ (۳۵)

اللہ تعالی کے کسی قول میں تبدیلی ناممکن ہے: محمد الامین بن مختار لکھتے ہیں:

یوں تو عبادات کے معاملے میں بھی اہل علم جانتے ہیں کہ شروع ہی سے مثلاً نمازیں ہی مقرر رہی ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں بلکہ زرتشت مذہب میں بھی پانچ نمازیں ہیں۔ (۳۶) لیکن عبادات کے سلسلے میں کمی بیشی اگر ہو بھی تو یہ بات اللہ تعالی کیلئے کوئی عیب کی بات نہیں ہو سکتی۔ لیکن دو چیزوں میں اللہ کے قول یا کتاب اللہ کی آیت میں تبدیلی خود اللہ کی الوہیت کے خلاف اور اس کی ذات کے لیے بڑی عیب کی بات ہو گی۔ اول یہ کہ جو تاریخی واقعہ کتاب اللہ میں بیان کیا گیا ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا یہ مطلب ہو گا کہ یا پہلے جھوٹ

کہا گیا تھا یا بعد میں جھوٹ کہا جا رہا ہے۔ دوسرے عدل کے سلسلے میں جو آیت اللہ کی کسی کتاب میں نازل ہوئی ہو اس میں تبدیلی بھی ناممکن ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یا تو پہلا حکم عدل پر مبنی نہ تھا یا اب عدل سے روگردانی کی جارہی ہے۔ یا پہلے ظلم کا حکم دیا گیا تھا یا اب ظلم کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ ایسا عیب ہوگا جس کا خدا میں تصور کرنا ہی خدا کی خدائی اور اس کو بے عیب ذات ماننے سے انکار ہوگا۔ یہی بات قرآن میں اہل کتاب کو مخاطب ہو کر کہی گئی ہے :

"افغیر اللہ ابتغی حکما وھوالذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً والذین اٰتینٰھم الکتاب یعلمون انه منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا۔ لا مبدل لکلمٰته وھوالسمیع العلیم" (۳۷)

کیا میں اللہ کے سوا اور فیصلہ کرنے والا تلاش کروں حالانکہ اس نے پوری تفصیل کے ساتھ تمہاری طرف کتاب نازل کر دی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب (قرآن) تمہارے رب کی ہی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو۔ تمہارے رب کی بات سچائی (یعنی تاریخی واقعات میں سچائی) اور انصاف (یعنی احکام میں عدل) کے اعتبار سے کامل ہے۔ اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ (اس بات کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ عدل کے پیمانے نہیں بدلا کرتے)

محمد الامین بن مختار مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں یہی کچھ فرماتے ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں : فقولہ صدقا (یعنی فی الاخبار) و قولہ عدلا) ای فی الاحکام (۳۸)

یعنی عدل وانصاف کے سلسلے میں جو بات بھی کسی اللہ کی کتاب میں نازل ہوئی ہے وہ عدل وانصاف کی رو سے کامل اور سچی ہے۔ اس میں تبدیلی کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اسی طرح سے جو تاریخی واقعہ اللہ کی کسی وحی میں ذکر ہو اس میں بھی کسی تبدیلی کا سوال ناممکن ہے۔ کیونکہ نہ تاریخی حقیقت بدل سکتی ہے اور نہ عدل وانصاف کے پیمانے بدل سکتے ہیں۔

پس مذکورہ بالا آیات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ تورات کا جو حکم زانی محصن کے لیے رجم کا تھا اور جس کی دوبارہ تصدیق و تجدید (فیھا حکم اللہ) اور دیگر آیات سے قرآن نے کر دی وہ حکم کامل عدل کا حکم تھا اور ہے۔ اس حکم میں تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ انصاف بدلا نہیں کرتا۔ بصورت

دیگر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ توریت میں رجم کا ظالمانہ حکم نعوذباللہ غلطی سے خدا نے نازل کر دیا تھا۔ آخر کار یہودیوں نے اس کو اپنے طور سے سو کوڑوں کی سزا میں تبدیل کر دیا۔ شروع میں اللہ اور اس کے رسول نے یہودیوں کو اس تحریف پر لعن طعن کی۔ ان کو کافر، ظالم کہا اور کچھ زانیوں کو رجم بھی کیا گیا۔ مگر بعد میں نعوذباللہ اللہ تعالیٰ نے غور کیا تو اللہ پر نعوذباللہ واضح ہوا کہ میرا حکم تو ظلم تھا اور یہودیوں کی تحریف عین انصاف تھی۔ پس اللہ نے بھی یہودیوں کی تحریف کو اپنا لیا اور یوں نعوذباللہ یہودیوں کی تحریف سے قرآن نے عدل وانصاف کی طرف رہنمائی پائی۔ نعوذباللہ من ذلک سبحان اللہ عمایصفون "گویا متجددین کا انصاف تھوک کر چاٹتا ہے۔ سبحان اللہ عما یصفون۔ پس رجم کے انکار کا مطلب ہی یہ ہے کہ تحریف کرنے والے یہودیوں میں عدل کو سمجھنے اور عدل کو اختیار کرنے کی ذہانت نعوذباللہ خود ان کے خالق سے زیادہ تھی اور آخر کار نافرمان مخلوق نے اپنے خالق کو عدل وانصاف کا راستہ دکھایا اور یوں مجبور ہو کر عقل وانصاف میں متجددین کے قانون ساز نے مخلوق سے مات کھائی۔

مذکورہ بالا آیت میں خاص طور سے تاریخی واقعات اور عدل کے سلسلے میں قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کی سنت کو تم تبدیل ہوتا نہیں پاؤ گے۔

پھر دوسری جگہ خاص مجرمین کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے:

"لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینک بهم ثم لایجاورونک فیها الاقلیلا۔ ملعونین اینما ثقفوا اخذووقتلواتقتیلا۔ سنة اللہ فی الذین خلوامن قبل ولن تجدلسنة اللہ تبدیلا"(۳۹)

پھر تیسرے مقام پر ایسے مجرمین کا ذکر کر کے جو رسول اللہ ﷺ کے ڈرانے سے نہیں ڈرتے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"فهل ینظرون الا سنت الاولین۔ فلن تجدلسنت اللہ تبدیلا
ولن تجد لسنت اللہ تحویلا"(۴۰)

چوتھے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ یہ فرما کر کہ اگر یہ مجرم کافر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے۔ اللہ تعالیٰ پھر اعلان فرماتے ہیں کہ:

"سنة اللہ التی قدخلت من قبل ولن تجدلسنتة اللہ تبدیلا"(۴۱)

یعنی جو ایسے مجرم پہلے گزرے ہیں ان کے لیے اللہ کی سنت یہی رہی اور تم اللہ کے سنت کو تبدیل ہوتا ہوا نہ پاؤ گے۔

اب دیکھئے کہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالی نے پہلے تو فرمایا کہ عدل کے سلسلے میں تم میری سنت کو تبدیل ہوتا نہ دیکھو گے۔ پھر جو رسول اللہ ﷺ کے ڈرانے کے باوجود جرائم پر اصرار کرتے ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی سزا میں بھی تم میری سنت میں تغیر یا تبدیلی نہ پاؤ گے۔ مجرمین کو سزا دینے میں اور عدل کے معاملے میں میری سنت شروع سے ایک ہی چلی آرہی ہے۔ اس میں تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح دین کے متعلق فرمادیا کہ دین ہمیشہ ایک رہا۔ پھر سورہ نور میں حد کے متعلق کہا کہ حدود بھی دین ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عدل' انصاف اور حدود میں قرآن کی رو سے تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جو تبدیلی تسلیم کرتے ہیں وہ قرآن کو جھٹلانا چاہتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ تاریخ الامت' ج ا' ص ۱۰۲' شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام۔ دوسرا ایڈیشن ص ۱۰۱۔ ۱۰۲)

۲۔ یہود میں نسبت کی حیثیت گویا نکاح ہی کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ توراۃ میں کنوارے اور شادی شدہ لوگوں کی سزا ایک ہی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہود نے خود سے منگنی کو زیادہ اہمیت دے کر اس کو نکاح کے مترادف قرار دے کر شادی شدہ اور منگنی شدہ کو ایک درجہ میں رکھ دیا ہو۔ اتنا تغیر تو ان کیلئے معمولی بات تھی۔ بہر حال بالکل کنواروں جن کی منگنی بھی نہ ہوئی ہو ان کی سزا توراۃ میں رجم نہیں۔ یہ بات اوپر کے حوالے سے ثابت ہے۔

۳۔ خروج باب ۲۲۔ آیت ۱۶۔ ۱۷

۴۔ یاد رہے کہ ہندو مذہب میں اگر کوئی کنوارہ شخص اپنی ذات کی کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں۔ اس کا حوالہ ہم نے دوسرے مقام پر دیا ہے۔ پس کیونکہ ہندو مذہب' یہودیت وغیرہ میں کنوارے زانیوں کی کوئی قابل ذکر سزا نہ تھی اس لئے قرآن نے سب سے پہلے ان کے متعلق حکم نازل کیا۔

۵۔ سورۃ المائدہ : ۴۴

۶۔ تفسیر الطبری مع شرح شاکر برادران ج ۱۰' ص ۳۴۵۔ ۳۴۶

۷۔ اب ظاہر ہے کہ یہودی اگر اس لئے قرآن کے ذریعے کافر قرار دئے گئے کہ وہ وحی منزلہ کا رجم کا حکم اور قصاص میں برابری کا حکم چھپاتے تھے تو اسی آیت کی رو سے وہ مسلمان بھی کافر قرار ہوں گے جو رجم کا حکم چھپا کر یا اس کا انکار کر کے دوسرا حکم نافذ کرتے ہیں۔

۸۔ سورۃ المائدہ : ۴۵۔

۹۔ اب دیکھئے کہ تفسیر طبری جو سب تفاسیر کی اصل اور بنیاد ہے اور جس سے بعد کی تمام تفاسیر ماخوذ ہیں اور جس سے کوئی مفسر بھی مستغنی نہیں ہو سکتا اس میں رجم کو قرآن کی کتنی بہت سی آیات میں تفسیری طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر یہ متجددین یہ باطل اور بے سروپا دعوے کرتے ہیں کہ کسی نے رجم کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ سب یہی کہتے ہیں کہ رجم صرف سنت سے ثابت ہے۔ اب دیکھئے کہ بنیادی تفسیر طبری آپ کے سامنے ہے۔ اس کے حوالے دیکھئے اور متجددین کی دروغ گوئی اور ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے جن لوگوں نے کہا کہ رجم سنت سے ثابت ہے تو اس کی وجہ صرف بحث کو

مختصر کرنا تھا یا یہ کہنا تھا کہ تفصیلات سنت سے حاصل ہوتی ہیں۔ گڑھا کھودنا، پھر رجم کے بعد نماز جنازہ اور دفن کفن وغیرہ وغیرہ۔

۱۰۔ تفسیر طبری مع شرح شاکر برادران ج ۱۰ ص ۱۴۲ پر مکرمہ شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں خاص سو کوڑوں کا ذکر (فجلد نامئۃ)

۱۱۔ کیونکہ یہودیوں نے رجم کو تسلیم کر لیا تھا اور دونوں رجم کر دیئے گئے تو اس کے بعد بجائے پوری آیت کے عربی ترجمہ کو قرآن میں شامل کر کے طوالت دینے کی بجائے "فیھا حکم اللہ" کہہ کر رجم کے حکم کا اثبات کر دیا۔ سیدھی سی بات ہے۔ لیکن جن کی عقلوں پر پردہ پڑ گیا ہو اور یورپ کی ذہنی غلامی کے تحت اس کو واضح بات بھی سمجھ میں نہ آ رہی ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ یورپ والے تو تین خدا بھی مانتے ہیں اور ایک بھی۔ اور ان کی یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

۱۲۔ سورہ الانعام: ۱۱۵

۱۳۔ احکام القرآن: ج ۳، ص ۳۱۷۔ ۳۱۸

۱۴۔ تفسیر احمدیہ، ص ۳

۱۵۔ کتاب کا مطلب اگرچہ کچھ لوگوں نے لوح محفوظ یا نوشتہ تقدیر لیا ہے۔ مگر اصلاحی صاحب نے یہاں کتاب کا مطلب قرآن لیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی انہیں کا ہے۔

۱۶۔ یہاں بے شک اختلاف ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب لوح محفوظ ہے یا قرآن۔؟

۱۷۔ یہاں کتاب سے مراد صرف قرآن ہے۔ اس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔

۱۸۔ دیکھئے الاکلیل سیوطی، ص ۵۔ ۱۰

۱۹۔ امام شافعیؒ کے الفاظ یہ ہیں: لان المرجوم قد یموت باول حجر وقد لا یموت الا بعد کثیر۔۔ الخ) احکام القرآن للشافعی ص ۳۰۷

۲۰۔ گویا اس طرح سے رجم بھی معاشرہ اور فرد کے لیے رحمت ہے۔ زنا کی تباہیوں پر الگ ہم نے لکھا ہے

۲۱۔ رجم کے واقعات سورہ نور آیت نمبر ۲ کے نزول کے بعد آئے اس کا قرآنی ثبوت تو یہ ہے کہ مائدہ سورہ نور کے بعد نازل ہوئی۔ پھر خلفائے راشدین کا محصن زانیوں کو رجم کرنا بھی اس بات کا مزید ناقابل تردید ثبوت ہے۔ پھر آخری دور میں ایمان لانے والے صحابیوں کی عینی گواہی کہ ہم نے رجم ہوتے دیکھا، ان کے سامنے ایک اکیلے واحد تابعی کا ایک واحد صحابی کے قول کو روایت کرنے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جبکہ اس واحد تابعی کا قول بھی ہم تک مضطرب متن کی صورت میں پہنچا ہے۔

۲۲۔ بحوالہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی بعنوان ''رجم کی شرعی حیثیت'' اشاعت خاص ص ۲۶۔ ۱۲۸

۲۳۔ تفصیل کے لیے مقالات کوثری ص ۲۵۱ اور مابعد کا مطالعہ کیجئے

۲۴۔ یاد رہے کہ زنا سے بچنے کا ایک طریقہ استمنیٰ بالید اور اسی قسم کے دوسرے طریقے بھی ہیں جو کہ یورپ میں بھی عام ہیں۔ یورپ میں کنوارے لڑکے لڑکیاں آپس میں حتیٰ کہ شادی شدہ لوگ آپس میں بھی یہ طریقے استعمال کرتے ہیں۔ اگرچہ حکیم لوگوں کا خیال ہے کہ استمنیٰ بالید صحت کے لیے نقصان دہ ہے مگر جدید سائنس اس کو بے ضرر خیال کرتی ہے۔ استمنیٰ بالید کی بعض فقہاء کے ہاں کوئی سزا نہیں اور بعض کے نزدیک تعزیر ہے جو قاضی کی صوابدید پر ہے۔ اس سلسلے میں محلی میں اچھی بحث ہے۔ یوں تو زنا بالجبر کرنے والا بھی غیر معمولی محرک کا بہانہ بنا سکتا ہے۔ پس جذبات سرد کرنے کے لیے عورت مرد ایک دوسرے کی مدد سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔ اسکا ذکر فقہ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ پس جذبات سے مجبور ہو کر زنا کرنے والے کے لیے حد میں کمی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۲۵۔ اس بات کا جواب زاہد الکوثری نے بہت عمدہ دیا ہے۔ جس کو ہم ابھی نقل کر چکے ہیں۔

۲۶۔ یاد رہے کہ اس کے برعکس یہودیوں نے رجم کے فیصلے کو خوش دلی سے قبول نہیں کیا اور آخر وقت تک ٹالنے اور دھوکہ دینے کی کوشش کرتے رہے۔

۲۷۔ سورہ المائدہ : ۴۲)

۲۸۔ رجم کے سلسلے کی آیات یہاں تک ہیں۔

۲۹۔ الروض الانف ج ۲ ص ۴۳

۳۰۔ ظاہر ہے کہ اس کا خیال ان کو سورہ نور کی دوسری آیت ہی کی وجہ سے آیا جو نازل ہو چکی تھی۔

۳۱۔ تفسیر المنار ج ۶ ص ۳۸۶ (مزید دیکھئے سنن بیہقی وغیرہ کتب احادیث)

۳۱-A۔ باب ۳ آیات ۱ تا ۹

۳۲۔ قرطبی ج ۶ ص ۱۸۸

۳۳۔ تفسیر کبیر ج ۱۲ ص ۲

۳۴۔ روح المعانی ج ۱۲ ص ۳

۳۵۔ روح المعانی ج ۶ ص ۱۴۲

۳۶۔ دیکھئے ہمارا مضمون بعنوان ''قرآن اور عصری تحقیقات'' جو قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ کی دوسری اور تیسری جلد میں چھپا تھا۔